اسلامی احکام اور انکی حکمتیں

اِسلامی احکام کی حکمتیں، مصلحتیں اور اسرار و رموز

مولف

شیخ عبدالقادر معروف الکردی

مترجم

مولانا خالد محمود (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اسلامی احکام اور انکی حکمتیں

اِسلامی احکام کِی حکمتیں، مصلحتیں اور اسرار و رمُوز

مولف

شیخ عبدُالقادر معروف الکردی

مترجم

مولانا خالد محمود (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿عرض ناشر﴾

الحمدللہ و کفٰی والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ . امّابعد

یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ اللہ جل شانہ اس کائنات اور اس میں قائم شدہ بہت سے نظام اپنے خاص حکیمانہ انداز میں چلا رہے ہیں۔ ہر ذی شعور اور معمولی درجہ کی عقل رکھنے والا شخص اس بات کا مشاہدہ کرسکتا ہے کہ دن کو رات میں اور رات کو دن میں تبدیل کرنے والی جاندار سے بے جان اور بے جان سے جاندار پیدا کرنے والی ذات وحدہ لا شریک ہے۔ سورج کے طلوع وغروب سے لے کر انسانی جسم کی مشینری تک اسی کی حکمت بالغہ سے حرکت میں ہے، پھر اس کی پیدا کردہ اشیاء اور اس کے دیئے ہوئے احکامات میں بھی نہ جانے کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں جس کا کامل ادراک کرنے سے انسانی عقل وفکر قاصر ہے۔

یہاں یہ بات بھی مسلّم ہے کہ شرعی احکام کا اصل مدار شرعی نصوص پر ہوتا ہے، جن کے قبول کرنے میں مصلحت اور حکمت کا انتظار سخت مضر ہے۔ دوسری طرف چونکہ وہ اللہ جل جلالہ اوررسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکامات ہیں اس لئے اس میں بے شمار مصالح اور حکمتیں بھی پنہاں ہیں جن کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ مددگار بھی ہے۔ زیر نظر کتاب ''اسلامی احکام اور ان کی حکمتیں'' اسی موضوع سے تعلق رکھتی

ہے، جس میں احکام شرعیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں کا بڑا حسنِ اسلوبی سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب شیخ عبدالقادر المعروف الکردیؒ کی عربی تالیف "مواهب البديع في حكمته التشريع" کا سلیس اردو ترجمہ ہے، جسے برادر عزیز مولانا خالد محمود صاحب نے بڑے آسان فہم انداز میں انجام دیا ہے۔ الحمد للہ بیت العلوم کو دیگر کتابوں کی طرح اس کو بھی طبع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف، مترجم اور ناشر کی اس دینی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے، اور اس کتاب سے زیادہ صحیح استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محتاج دعاء

محمد ناظم اشرف

خادم الطلباء جامعہ اشرفیہ، لاہور

عرضِ مترجم

نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد! اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات جامع صفاتِ کمالیہ و جلالیہ ہے، صفات باری تعالیٰ میں سے ایک صفت ''حکیم'' بھی ہے، قرآن کریم میں صفتِ ''حکیم'' کا ذکر اکاسی مرتبہ آیا ہے، کہیں تو انّک انت العلیم الحکیم کا ذکر ہے اور کہیں انّک انت العزیز الحکیم آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب مقدّس میں اکاسی مرتبہ متنبہ کیا ہے کہ اگر میری ذات حاکم ہے تو حکیم بھی ہے یعنی میرا کوئی حکم بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے، خواہ اس حکم کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے، اخلاقیات سے ہو یا معاشرت سے یا حدود تعزیرات سے، ہر حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت اور راز مخفی اور پوشیدہ ہے اور پھر اکثر حکمتیں اور اسرار ایسے ہیں کہ جن کا ادراک اور فہم انسانی عقل سے ماوراء ہے۔ مشہور مقولہ ہے "قول الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" یعنی حکیم کا کوئی قول حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

بہر حال احکامِ اسلام کی یہ حکمتیں اور اسرار جن کو اکابر علماء شروع سے آج تک بیان یا تحریر کرتے آئے ہیں، ان سے مقصد صرف قلبی اطمینان اور روحانی تسکین ہے۔ ورنہ احکامِ شریعت کا مدار عقل و حکمت پر نہیں ہے، اور پھر اس کی ضرورت بھی عامۃ الناس کو ہے، اکابرین اور راسخین فی الایمان کو احکام کی حکمتیں اور ان کے اسرار جاننے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

زیرِ نظر کتاب ''اسلامی احکام اور ان کی حکمتیں'' انہیں اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے۔ جو اصل میں شیخ عبدالقادر المعروف الکردیؒ کی عربی تالیف ''مواھب البدیع فی حکمة التشریع'' کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مؤلف نے فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق اسلامی احکام کی حکمتوں کی تشریح انتہائی دلکش انداز سے فرمائی ہے۔

بیت العلوم نے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ جس کا افتتاح آج سے چند سال پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے دست مبارک سے فرما چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بیت العلوم کے ناظم و ناظر اور میرے برادرِ محترم مولانا محمد ناظم اشرف صاحب سلمہٗ الرحمٰن کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب مذکور کی طباعت کا انتظام اور اہتمام فرمایا، اور یہ ان کی پہلی کوشش نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی بہت سی مفید اور مستند کتابیں ان کے زیر انتظام زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، جن میں قابل ذکر ''محمد عربی ﷺ انسائیکلو پیڈیا''، ''اصلاحی مواعظ''، ''قصص معارف القرآن''، ''اصلاحی تقریریں'' اور ''تاریخ المشاھیر'' وغیرہ کتابیں ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب مستطاب بھی دیگر کتابوں کی طرح عام لوگوں کے لئے اسلامی احکام کی حکمتوں کے سلسلہ میں مفید ثابت ہو گی، اور قلبی و روحانی اطمینان وتسلی کا باعث بنے گی، اور دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کتاب سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین''۔

۲۶ صفر ۱۴۲۲ھ بمطابق
۲۰ مئی ۲۰۰۱ء

طالب دعا
خالد محمود عفا عنہ الغفور

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	خطبہء کتاب	۱۳
۲۔	مقدّمہ	۱۶
۳۔	احکامات کا مکلّف بنانے کی حکمت	۱۸
۴۔	انبیاء ورسل علیھم السلام کے مبعوث فرمانے کی حکمت	۱۹
۵۔	وضو کی حکمت	۲۰
۶۔	وضو کی حکمت طہارت وپاکیزگی ہے	۲۰
۷۔	وضو میں چہرہ، ہاتھ، پاؤں اور سر کی تخصیص میں حکمت	۲۲
۸۔	چہرہ دھونے کی حکمت	۲۲
۹۔	ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کے مسح کرنے میں حکمت	۲۳
۱۰۔	غُسل کی حکمت	۲۴
۱۱۔	اخلاقی اور شرعی اعتبار سے غُسل کی حکمت	۲۵
۱۲۔	تیمّم کی حکمت	۲۷
۱۳۔	مٹی بھی ازالہء نجاست میں پانی کے ہم مثل ہے	۲۸
۱۴۔	تیمّم میں ہاتھ اور چہرہ کی تخصیص اور اس کی حکمت	۲۸
۱۵۔	حالتِ جنابت میں سارے بدن کا تیمّم نہ کرنے کی حکمت	۲۹

۱۶۔	موزوں پر مسح کرنے کی حکمت	۳۰
۱۷۔	نجاستوں کے پاک کرنے کی حکمت	۳۱
۱۸۔	غسل حیض ونفاس کے واجب ہونے کی حکمت	۳۲
۱۹۔	نماز کے فرض ہونے کی حکمت	۳۳
۲۰۔	دن کی نمازیں سرّی اور رات کی جہری ہونے کی حکمت	۳۵
۲۱۔	اذان اور اقامت کی حکمت	۳۵
۲۲۔	نفل نماز کی حکمت	۳۶
۲۳۔	نماز باجماعت پڑھنے کی حکمت	۳۷
۲۴۔	رباعی نماز میں قصر کی حکمت	۳۸
۲۵۔	ثلاثی اور ثنائی نمازوں میں قصر کی اجازت نہ دینے کی حکمت	۳۹
۲۶۔	روزہ کی حکمت	۳۹
۲۷۔	انسان کے نفس میں شر اور خیر دونوں کی استعداد موجود ہے	۴۰
۲۸۔	مسافر کو افطار کی رخصت دینے اور مقیم کو نہ دینے کی حکمت	۴۱
۲۹۔	حائض پر روزہ کے واجب ہونے اور نماز کے واجب نہ ہونے کی حکمت	۴۲
۳۰۔	زکوٰۃ کی حکمت	۴۳
۳۱۔	زکوٰۃ کے چند فوائد اور ثمرات	۴۳

۳۲۔	حکیم ذات کی حکمت دیکھئے	۴۴
۳۳۔	حج کی حکمت	۴۴
۳۴۔	بیع وشراء کی حکمت	۴۶
۳۵۔	سود کے حرام ہونے کی حکمت	۴۷
۳۶۔	قرآنی آیات میں سُود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ کا ذکر	۴۸
۳۷۔	بیع میں خیارِ شرط وغیرہ کی حکمت	۴۹
۳۸۔	بیع سلم کی حکمت	۵۰
۳۹۔	رہن کی حکمت	۵۱
۴۰۔	حجر کی حکمت	۵۲
۴۱۔	اجارہ کی حکمت	۵۴
۴۲۔	شفعہ کی حکمت	۵۵
۴۳۔	شفعہ کی حکمت دفعِ مضرّت اور رعایتِ حق ہے	۵۶
۴۴۔	صلح کی حکمت	۵۷
۴۵۔	صلح صفائی ایک مطلوب اور مستحسن امر ہے لیکن......	۵۸
۴۶۔	قرض کی حکمت	۵۹
۴۷۔	وقف کی حکمت	۶۰
۴۸۔	وقف دائمی اور مستقل اجر وثواب کا ذریعہ ہے	۶۱
۴۹۔	میراث کی حکمت	۶۲

۵۰۔	اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حصہ واضح طور پر مقرر کردیا	۶۳
۵۱۔	لڑکے کا حصہ لڑکی سے زیادہ ہونے کی حکمت	۶۴
۵۲۔	نکاح کی حکمت	۶۴
۵۳۔	نکاح معاشرہ کی اصلاح کا سبب ہے	۶۵
۵۴۔	مرد کے لئے بیویاں چار اور باندیاں بے شمار رکھنے کی حکمت	۶۶
۵۵۔	صرف چار عورتیں کیوں مباح فرمائیں	۶۶
۵۶۔	خلع کی حکمت	۶۷
۵۷۔	خلع عورت کیلئے حصولِ راحت کا باعث ہے	۶۸
۵۸۔	طلاق کی حکمت	۶۹
۵۹۔	طلاق سے رجوع کی حکمت	۷۰
۶۰۔	حرمتِ ظہار کی حکمت	۷۲
۶۱۔	لِعان کی حکمت	۷۳
۶۲۔	عدّت کی حکمت	۷۴
۶۳۔	عدّت کے حکم میں بہت سی مصلحتیں مخفی ہیں	۷۵
۶۴۔	عدّتِ طلاق تین حیض اور عدّتِ وفات چار ماہ دس دن کیوں مقرر ہوئی	۷۶
۶۵۔	حدود وقصاص کی حکمت	۷۷
۶۶۔	حدود وتعزیرات سے مقصود ظلم وفساد کو ختم کرنا ہے	۷۹

۶۷۔	قصاص کی حکمت	۷۹
۶۸۔	حدّ زنا کی حکمت	۸۰
۶۹۔	قطعِ ید کی حکمت	۸۱
۷۰۔	تغرِیم مال کی حکمت	۸۲
۷۱۔	تعزیر کی حکمت اور اس کی تفصیل	۸۲
۷۲۔	نفی (جلاوطنی) کی سزا میں حکمت	۸۳
۷۳۔	اسلامی سزاؤں کی حکمت جرائم کا خاتمہ ہے	۸۵

خطبہء کتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

الحمد للّٰه المتفرد بنعمة الخلق والايجاد، المتوحد بمنة الانعام والامداد، الذى خلق الخلائق والاكوان لتكون أدلة واضحة عليه، واختارمنها لنفسه نوع الانسان حيث خلقه ليصل بعقله اليه، ثمّ اصطفٰى من هذا المنتقى صنف الرسل عليهم الصلوٰة والسلام، لتتم النعمة و تكمل الحكمة ولئلايبقى النّاس فى ظلام ظلمهم، ويستمروا تائهين فى ليالى غيهم و غشمهم، ثم تعظم البلوى بانتقالهم الٰى دارالقصاص الادق التام حيث يؤخذون بما اقترفوه من المظالم والآثام، لذا بعث اللّٰه سبحانه و تعالٰى عباده الانبياء، وامدهم بالملائكة والاصفياء لينوروا السبل و يكونوا اعلام الهدى بين الورىٰ، فيسعد من يسعد من اتباعهم و يبقى من يعصى فى نارحرمانهم واستبدادهم، و يستوفى الكل موجبات العدل و مقتضيات الموازين القسط.

اَمّابعد: فقیر عبدالقادر معروف الکردی السندی جی عرض کرتا ہے کہ اس دورِ جدید میں مختلف قسم کے علوم و معارف کی نشرو اشاعت کا بازار گرم ہے، ہر شخص اِن علوم و فنون کی قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ سے واقف اور ان کا معترف ہے، اور اہلِ علم علومِ نقلیہ کو صحیح علومِ عقلیہ کے ساتھ حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اس لئے کہ عقل نقل کی اساس اور بنیاد ہے، اور عقل ہی شریعتِ مطہّرہ کی اصل مخاطب ہے، چنانچہ انہی فنون میں سے ایک جلیل القدر اور نافع الحصول فن یعنی ''حکمة التشریع یا اسرار التشریع'' ظہور پذیر ہوا، اور یہ علمِ اسرارِ شریعت اچانک وجود میں نہیں آ گیا بلکہ یہ مبارک علم مختلف قسم کی بڑی بڑی کتابوں میں مستور اور متفرق طور پر موجود تھا، پھر چونکہ آج کل عقل کے فضائل اور دلائل اور فکرِ انسانی کے امتیازات اور نتائج مسلّم اور چاروں طرف پھیل چکے ہیں، اس لئے دینی حمیت و غیرت رکھنے والے اہلِ علم کے جذبات حرکت میں آئے، چنانچہ انہوں نے اس علم اسرار کی تلاش و جستجو اور اس کی معرفت کے حصول میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر ڈالیں، بالآخر انہوں نے ایک منظّم اور مرتّب صورت میں اس علم کو جمع اور مدوّن کر لیا، میں اگرچہ اس کام کا اہل نہیں ہوں اور نہ ہی اس علمی میدان کا شہسوار اور دلائل و براھین کے آسمان پر پرواز کی طاقت و قدرت رکھتا ہوں۔ البتہ میں نے ایک شاعر کے اِن اشعار پر عمل کیا ہے۔

لَاَسْتَسْهِلَنَّ الصَّعْبَ أَوْ أُدْرِكُ الْمُنٰى

فَمَا انْقَادَتِ الْآمَالُ اِلَّا لِصَابِرٍ

''میں امرِ مشکل کو ضرور آسان کروں گا یا اپنی آرزو کو

پالوں گا کیونکہ امیدیں صبر کرنے والے ہی کے تابع ہوئی ہیں''

فَتَشَبَّهُوا إِنْ لَمْ تَكُونُوا مِثْلَهُمْ
إِنَّ التَّشَبُّهَ بِالرِّجَالِ فَلَاحُ

''اگر تم ان جیسے نہیں بن سکتے تو ان کی مشابہت ہی اختیار کرلو، کیونکہ ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا بھی فلاح و کامیابی کا ذریعہ ہے''

چنانچہ میں نے اس جلیل القدر موضوع پر ایک یہ رسالہ تصنیف کیا ہے جس کی ترتیب و تدوین میں عمرِ نفیس اور وقتِ عزیز کا بیشتر حصہ صرف ہوا، بس اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اس کی جمع و تدوین اور سلسلہء مطبوعات میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائی ہے تا کہ اہلِ عقل و دانش کی ادنیٰ خدمت ہو سکے، اہلِ علم سے امید ہے کہ عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں گے، اس لئے کہ عفو و درگزر نیک لوگوں کی صفت ہے اور طعن و تشنیع بُرے لوگوں کی عادت ہے، میں اس کتاب کا نام ''مواهب البديع فی حكمة التشريع '' رکھتا ہوں، اور یہ کتاب چند ابواب پر مرتّب ہے، ہر باب کے تحت چند فصلیں ہیں، سب سے پہلے ایک اہم مقدّمہ پیشِ خدمت ہے۔

وعلى الله اعتمد فی الارتشاد الٰی طريق الحقّ والسداد''۔

مقدّمہ

برادرِ عزیز! اگر آپ شریعتِ مطہرہ کے روشن احکامات اور ان کے دقائق میں غور و فکر سے کام لیں گے، اور الفاظ کے پردہ میں چھپے اسرار اور رموز آپ کے سامنے ظہور پذیر ہوں گے تو آپ یقیناً حیران ہو کر رہ جائیں گے کہ شریعت کا ہر حکم حکمت اور عقل کے کیسے موافق اور انسان کے ذوق اور طبیعت کے کیسے مطابق ہے اور ایسے اسرار رونما ہوں گے جن سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واقعی عزیز اور حکیم ہے۔ اے طالبِ اسرار! اگر تو یہ چاہے کہ تیرا نفس اس شیریں پھل سے لطف اندوز ہو اور تیری روح اس عمدہ میوے سے کیف و سرور حاصل کرے اور تجھے فقہ کا وہ معنیٰ معلوم ہو جس سے تیرا دل مطمئن اور پُرسکون ہو جائے۔ تو پھر میں تیرے سامنے ہر حکم مع حکمت ذکر کئے دیتا ہوں بشرطیکہ تیرا نفس اس حکمت کے حصول کا مشتاق اور طالب ہو، اور پھر شریعتِ مطہرہ کا ہر حکم بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی حکمت عقل پر مخفی ہو اور جس کی علّت اور ثمرہ فکرِ انسانی سے اوجھل ہو۔ بلکہ بعض احکام ایسے ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہیں۔ ان کی علّت اور حکمت بتانے کی ضرورت نہیں

ہے۔ جیسا کہ پاخانہ کی نجاست اور بیٹی سے نکاح کی قباحت، اب پہلی چیز کے بارے میں یہ حکمت بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس سے کپڑے کو پاک کرنا کیوں واجب ہے، کیونکہ اس کی حکمت واضح ہے اور دوسری چیز کی حرمت کی وجہ اور حکمت بتانے کی بھی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ طبیعتِ سلیمہ اس سے کراھت کرتی ہے۔ میں اس مختصر سے رسالہ میں ان احکامات کی علتیں اور حکمتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کی عقل عام طور پر جن کی طالب اور مشتاق ہوتی ہے۔ جیسے وضو اور طہارت کی حکمت، حیض اور نفاس والی عورت کے لئے غسل کے وجوب کی حکمت۔ خونِ استحاضہ کے نکلنے پر غسل واجب نہ ہونے کی حکمت اور علت۔ چنانچہ حیض و نفاس اور استحاضہ کے متعلق ایک مستقل باب ذکر ہوگا۔ چونکہ اس رسالہ میں تمام احکامات کا ذکر ان کے اسرار کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ اس سے کلام طویل ہو جائے گا اور نیز اس کے لئے بڑا دفتر درکار ہوگا۔ اس لئے ہم نے بعض اہم احکامات کا ذکر کافی سمجھا تاکہ بقیہ احکامات کو ان پر قیاس کر لیا جائے۔ کیونکہ جو شخص اہم بات کی معرفت حاصل کر لے گا اس کے لئے غیر اہم بات کی معرفت کا حصول آسان ہو جائے گا۔ اب ہم احکامات کا انسان کو مخاطب اور مکلّف بنانے کی حکمت اور علّت ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکمتوں کی اصل اور اسرار کی بنیاد ہے۔

احکامات کا مکلّف بنانے کی حکمت

مکلّف بنانے کا مطلب ہوتا ہے انسان سے مشقت آمیز کام کا مطالبہ کرنا، اور ایسے اوامر و نواھی کا اس کو پابند کرنا جس سے اس کا نفس مشقت میں مبتلا ہو، اور یہاں ہمارا مقصد عمومی معنی کے اعتبار سے مطلق حکمت کو بیان کرنا ہے۔ یعنی صرف اس بات کی حکمت اور راز بیان کرنا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی اطاعت کا مکلّف کیوں بنایا ہے، کسی خاص حکم کی حکمت یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے، جیسے وضو اور نماز کے حکم میں کیا حکمت ہے اس لئے کہ اس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ انسان اگر چہ خلاصۂ کائنات اور عقل وشعور اور قوتِ گویائی و بیانی کی وجہ سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے، لیکن وہ اس امتیازی شان اور صفت کے باوجود دو چیزوں کی آزمائش میں مبتلا ہے، اسی لئے وہ انسان ایسے لوگوں کا محتاج ہے جو اسے رشد و ہدایت کی راہ دکھانے والے ہوں اور اس کے ہر شک و شبہ کو دور کرنے والے ہوں ایسے لوگ صرف انبیائے کرام علیھم السلام ہی ہو سکتے ہیں جو عام انسانوں کے لئے عقل و بصیرت اور نور و روشنی کا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں جنہوں نے آکر نعمت کا اتمام اور فطرت کی تکمیل کر دی، وہ دو چیزیں جس نے انسان کو تباھی اور گمراھی کے گڑھے میں ڈال دیا تھا۔ جس کی

وجہ سے انسان اندھا بہرا ہو گیا تھا وہ (دو چیزیں) اس کی عقل کا ناقص ہونا، اورخواہشِ نفس کا قوی ہونا ہے۔ ان دو چیزوں نے اس کو گمراھی میں ڈال دیا تھا اور رحمت و عدل کے راستہ سے دور جا پھینکا تھا۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کے مبعوث فرمانے کی حکمت

خالقِ حکیم کے علمِ ازلی میں مخلوق کی یہ حالت موجود تھی اور نیز خالقِ کائنات کے علم میں یہ تھا کہ میری مخلوق کچھ آسمانی پیمبروں اور کچھ زمینی پیمبروں کی محتاج اور ان کی پیاسی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور آسمان سے جبریل علیہ السلام اور قرآنِ کریم نازل فرمایا۔ جس میں بندوں کے مصالح و منافع اور گمراھی و تباھی سے بچنے کے اسباب موجود ہیں، حاصلِ کلام یہ ہے کہ انسان کی صلاح و فلاح کا کام چونکہ آسان اور سہل نہیں تھا بلکہ دشوار اور مشکل تھا جیسے بعضوں کا یہ وہم ہے کہ انسان کی صلاح و فلاح بس اس میں ہے کہ وہ دنیا کے مادی اسباب کو جمع کرے اور سامانِ دنیا سے متمتّع ہو اور عقل و شعور اور ظاہری حواس کے تقاضے کے مطابق باتوں کا اعتقاد کر لے اور جو باتیں عقل و شعور اور حواسِ ظاھرہ کے ادراک سے ماوراء ہوں ان کا انکار کر دے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو صحیح عقائد کا قانون اور نافع اعمال کا دستور دے کر مبعوث فرمایا، اور دعوت و تبلیغ کا ان کو مکلف بنایا، تاکہ اس کی مخلوق اس راہِ ہدایت پر چل کر سعادت مندی اور کامیابی کی منازل حاصل کر لے یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے انتہاء رحمت و فضل اور

بے پایاں لطف و عنایت ہے۔

وضو کی حکمت

یہ بات تو یقیناً سب جانتے ہیں کہ نماز اگر کوئی شخص پڑھنا چاہے تو وضو اس کے لئے ضروری اور لازمی ہے بشرطیکہ وہ بے وضو ہو، وضو کے واجب ہونے کی دلیل کتاب اللہ سے ثابت ہے جیسا کہ علم اصول احکام کی کتابوں میں خوب وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے، ہم یہاں دلائل کا ذکر نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اِس مختصر رسالہ میں ان مباحث کو بیان نہیں کیا جائے گا بلکہ ہم یہاں یہ بتائیں گے کہ یہ حکم کس حکمت کی بناء پر دیا گیا ہے۔ علماء اس فن کو ''فن حکمة التشريع'' کا نام دیتے ہیں۔

وضو کی حکمت طہارت و پاکیزگی ہے

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی عادات و اطوار اور جدید و قدیم اصطلاحات میں غور کرے گا کہ وہ اپنے ظاھری اور دنیوی حاکموں اور حکمرانوں سے ملاقات کی خاطر کس قدر اپنے جسموں کی نظافت اور کپڑوں کی طہارت اور صفائی و ستھرائی کا اہتمام کرتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے چہروں ہاتھوں کی صفائی اور اپنے بالوں کی ترتیب حتیٰ کہ اپنے ہاتھ اور گردن کے اشارات تک کا خاص خیال رکھتے ہیں تو وہ جان لے گا کہ وضو کا حکم دینے میں حکمت جسم سے میل کچیل کو دور کرنا اور بدن کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ کم از

کم اس گرد و غبار کو دور کرنا جو اٹھنے، بیٹھنے صبح و شام کہیں آنے جانے میں جسم سے جدا نہیں ہوتا۔ وضو کی یہی حکمت ہے تا کہ وہ نمازی پاک صاف ہو کر اپنے اس مالکِ حقیقی کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل ہو سکے جو واحد، اَحد اور بے نیاز ہے اور اپنے بندہ کے تمام ظاھری اور باطنی احوال سے باخبر ہے، لہٰذا اس کے بندہ کو چاہیئے کہ اپنے جسم کو پاک صاف اور آراستہ پیراستہ رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

﴿ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾

یعنی ''اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت''۔

بہرحال معلوم ہوا کہ وضو کا حکم دینے میں حکمت اور راز اصل میں یہی نظافت ہے تا کہ بندہ اپنے مولیٰ اور آقا کے سامنے بہترین صورت میں کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے، اور تا کہ اسے خشوع اور خضوع کا مقام بھی حاصل ہو جائے۔ وضو کے حکم میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کے جسم میں قوّت اور اس کے اعضاء و جوارح میں نشاط پیدا ہو جائے تا کہ وہ نماز وغیرہ جیسے احکامات کی ادائیگی میں اس سے مدد لے سکے، اور وضو کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وضو مخلوق کی رضا اور خوشی حاصل ہونے کا ذریعہ ہے کیونکہ جس وقت لوگ اس کو عام اجتماعات (جمعہ وعیدین وغیرہ) میں صاف ستھرا دیکھیں گے تو ان کے دل خوش ہوں گے، اور نیز وضو میں ایک اور دقیق حکمت پنہاں ہے اور وہ ہے نفس کو گناہوں اور عیوب کی آلائشوں اور نجاستوں سے پاک کرنا کیونکہ وضو صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ کا باعث ہوتا ہے (جیسا

کہ حدیث شریف میں آیا ہے)۔

وضو میں چہرہ، ہاتھ پاؤں اور سر کی تخصیص میں حکمت

اب رہ گئی بات اعضاء کے تخصیص کی یعنی وضو میں خاص طور پر چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو دھونے اور سر کا مسح کیوں کیا جاتا ہے، باقی اعضاء کیوں نہیں دھوئے جاتے؟ صرف یہی اعضاء وضو میں کیوں دھوئے جاتے ہیں اور سر کا صرف مسح کیا جاتا ہے اسے دھویا نہیں جاتا اس میں کیا حکمت ہے؟ حالانکہ ان اعضاء سے ہَوا کا خروج نہیں ہوا، ہَوا کا خروج تو دبر سے ہوا ہے چنانچہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ چہرہ اس لئے دھویا جاتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ وجہ (چہرہ) کو وجہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس (چہرہ) سے مواجہت یعنی مقابلہ (ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا) حاصل ہوتا ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ وجہ (چہرہ) صاف ستھرا ہو، گرد آلود نہ ہو، بے غبار ہو۔

چہرہ دھونے کی حکمت

چہرہ کی یہ صفائی اور ستھرائی کیسے ضروری نہ ہو حالانکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ خوبصورت آدمی کا احترام اور بدصورت یا گرد آلود چہرے والے آدمی کی تحقیر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ لوگ عام ملاقاتوں اور اجتماع گاہوں میں صفائی ستھرائی کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور خصوصاً اپنے چہروں کو صاف ستھرا رکھنے کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اور یہ چہرہ کی

صفائی انسان کے باطن پر دال اور اس کو نمایاں کرتی ہے۔ جب عام مخلوق کے لئے اتنا اہتمام کیا جاتا ہے اس خاطر کہ وہ اس کی طرف متوجّہ ہو اور ان کی نظروں میں عزت ہو تو خالق و مالک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ ذاتِ عالی تو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کے لئے نظافت اور طہارت کا اہتمام کیا جائے۔ اور چونکہ چہرہ کی نظافت سے زیادہ جمیل اور کوئی نظافت نہیں ہے اس لئے وضو میں سب سے پہلے چہرے کے دھونے کو فرض قرار دیا گیا۔

ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کے مسح کرنے میں حکمت

جہاں تک تعلق ہے دونوں ہاتھوں کے دھونے کا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کام کاج کا تعلق ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ میلے کچیلے کپڑے انسان ہاتھ سے چھوتا ہے اور اسی طرح کسی چیز کے لینے اور دینے میں ہاتھ ہی زیادہ استعمال ہوتا ہے اسی لئے یہ ہاتھ نظافت اور طہارت کے مستحق قرار پائے، اور رہ گئی بات سر کے مسح کی، تو چونکہ انسان کا سر خانۂ عقل اور دماغ کا مسکن ہے جس سے اس کی حس و حرکت وابستہ ہے، اور نیز وہ (سر) بدن کا اعلیٰ اور اشرف حصہ ہے اس لئے چہرہ کے بعد وہ قابل نظافت ہوا، انسان اسی سر کے ذریعہ یا تو کسی کی طرف تعظیم و توقیر کا اشارہ کرتا ہے یا تحقیر و تذلیل کا اشارہ کرتا ہے، چونکہ یہ سر آلۂ احترام و وقار بھی ہے اور تحقیر و استہزاء کا ذریعہ بھی ہے جیسے بادشاہ کا استقبال اس کے سامنے تعظیم و وقار کے ساتھ سر جھکا کر کیا جاتا ہے اس لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کو بھی دوسرے اعضاء کی

طرح دھویا جائے لیکن حکم میں تخفیف اور آسانی رکھی گئی کہ صرف سر کے مسح کا حکم ہوا تاکہ بندہ مشقت میں مبتلا نہ ہو، اور جہاں تک تعلق ہے وضو میں پاؤں کے دھونے کا، تو اس کی حکمت یہ ہے کہ پاؤں چونکہ مٹی میں زیادہ لگتے ہیں نہ کہ دوسرے اعضاء، اور انسان اپنے پاؤں کے ذریعہ ہی ریت وغیرہ مختلف جگہوں پر چلتا ہے تو پاؤں پر میل کچیل اور گندگی لگ جاتی ہے اور پھر بسا اوقات گندے پاؤں سے بدبو آنی شروع ہو جاتی ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ نظافت کا خوب اہتمام کیا جائے، اس لئے خاص طور سے پاؤں دھونے کو واجب قرار دیا گیا نہ کہ جسم کے دوسرے اعضاء کو۔

غُسل کی حکمت

غُسل کے حکم میں کیا حکمت ہے؟ پہلے یہ سمجھئے کہ منی ایک جوہر ہے گاڑھی اور سفید رنگ کی ہوتی ہے، جب معدہ کی حرارت سے غذا خوب پک جاتی ہے تو اس غذا کا ایک خلاصہ اور نچوڑ نکلتا ہے جس سے وہ منی بنتی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ ظاہر ہوتی ہے، اور یہ مادہ منویہ جس وقت شہوت کے جذبہ سے نکلتا ہے خواہ خواب کی صورت میں نکلے یا بیداری کے عالَم میں تو بدن کے ہر حصّہ سے بہہ کر نکلتا ہے جسم کا کوئی حصّہ یا جوڑ ایسا نہیں جہاں سے وہ جدا نہ ہو۔

غذا پہلے خون بن کر انسان کی تمام رگوں میں پہنچتا ہے پھر خصیتین کے ذریعہ سفید پانی بنکر مادہ منویہ بن جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ منی غذا کا جوھر اور خلاصہ ہے، اور یہ مسلّمہ بات ہے جو قطعی دلائل اور طبّی تجربات سے ثابت

ہے جس کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

جب یہ بات آپ کو معلوم ہو گئی کہ انسان کی منی بدن کے ہر ہر جزو سے نکلتی ہے، اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ منی کے خروج سے انسانی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں اور جسم ضعیف اور پژمردہ ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ بدن کے تمام حصّوں سے گویا کہ نکلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام سُلالہ رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِيْنٍ ﴾

(المؤمنون:۱۲)

یعنی ''ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے کھینچے ہوئے جوھر سے''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے غسل کا حکم دیا اور اسے حتمی طور لازم اور فرض قرار دے دیا، معلوم ہوا غسل میں حکمت یہ ہے کہ انسانی قوتیں کمزور ہونے کے بعد دوبارہ بحال ہو جائیں اور جسم دوبارہ نشاط میں آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جماع کے بعد عضو تناسل کا دھونا مسنون قرار دیا گیا تاکہ قدرت و طاقت میں دوام رہے اور یہ طبّی نقطہ نظر سے حکمت ہے۔

اخلاقی اور شرعی اعتبار سے غسل کی حکمت

شرعی اور اخلاقی پہلو سے اس کی حکمت یہ ہے کہ انسان جب اپنی بیوی سے مباشرت اور لطف اندوز ہوتا ہے تو لذّت کی شدید تاثیر کی وجہ سے ایک طرح کی غفلت اور سستی اس میں پیدا ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ علمائے اخلاق

و ریاضیات کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی چیز انسانی بدن کے لئے جماع سے زیادہ مفسد اور مضر نہیں ہے۔ جماع انسان کو انسانیت کے اعلیٰ مقام سے حیوانیت کے ادنیٰ مقام کی طرف لے جاتا ہے، اور اس کو حیوانات کے گروہ میں شامل کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ انسان جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس پراگندہ ہو جاتا ہے اپنے رب کے راستہ سے دور ہو جاتا ہے، فرشتے بھی اس سے کراھت کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے کہ وہ ناپاک ہے فرشتے اس کو گندگی میں آلودہ دیکھتے ہیں جیسا کہ ہم انسان کو حسی اور ظاھری نجاستوں میں ملوّث اور آلودہ دیکھ سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر غسل کو فرض قرار دیا، تاکہ وہ انسان اس مخفی نجاست اور معنوی گندگی سے بھی پاک و صاف ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے قلب پر غبار سا آ جاتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں''۔

شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ قلبِ مبارک صلّی اللہ علیہ وسلم پر غبار جماع کے سبب آ جاتا تھا، اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر لحہ دائماً اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کے مشاھدہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اور فرشتوں کی صحبت میں رہتے تھے اور آپ کی یہ حالت سوائے جماع کے ہر لحہ رہتی تھی۔ حالتِ جماع میں جلالِ خداوندی کا مشاھدہ اور فرشتوں کی مصاحبت کا سلسلہ خوف و ادب کی وجہ سے چونکہ منقطع رہتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استغفار فرماتے تھے۔ غسل کی حکمت کے سلسلہ میں اتنا ذکر ہی کافی ہے''۔

تیمّم کی حکمت

تیمّم مٹی ہی سے کیوں مشروع ہے اس میں کیا حکمت اور راز ہے؟
حالانکہ مائع اور جامد اشیاء میں اور بھی ایسی چیزیں ہیں جن سے ازالہء نجاست ممکن ہے۔ تو مٹی سے تیمّم کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ مٹی تخلیق انسانی میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ مٹی تخلیق وتکوین کی ابتداء میں پانی کے ہم مثل اور ہم شریک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿ فَاِنَّا خَلَقْنَا كُمْ مِنْ تُرَابٍ ﴾

(الحج : ۵)

یعنی ''ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے'' اور فرمایا

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾

(الانبیاء : ۳۰)

یعنی ''ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے بنائی ہے''

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے، مٹی اور پانی یہی دونوں چیزیں شریعت کی اصل ہیں۔ انہی سے نشوونما کے اسباب پیدا ہوئے، اور چونکہ پانی کی طبیعت میں ازالہء نجاست، قوّتِ تطہیر (پاک کرنے کی قوّت) اور جسم اور کپڑوں سے جراثیم وغیرہ ختم کرنے کی صفت موجود ہے اس لئے یہ پانی اشیاء کی طہارت میں اصلِ کی حیثیت قرار پایا، چنانچہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ جب کبھی پانی مفقود ہو یا کسی شرعی عذر کی بناء پر ناقابل استعمال ہو جائے تو مٹی سے حصول طہارت جائز قرار دی جائے اس

لئے کہ مٹی پانی کے ہم مثل ہے اور دوسری چیزوں کی بہ نسبت استعمال کے زیادہ لائق ہے۔

مٹی بھی ازالہ ءنجاست میں پانی کے ہم مثل ہے

آپ کے دل میں یہ خلجان اور کھٹکا نہ آئے کہ یہ مٹی تو منہ کو آلودہ کرنے والی ہے اور ہاتھوں کو گندہ کرنے والی ہے، ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ مٹی حصول طہارت میں پانی کے ساتھ شامل ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتا اگر برتن میں منہ ڈال دے یا اپنے دانتوں سے کپڑے کو پکڑے تو برتن کی طہارت کے لئے پانی کے علاوہ مٹی بھی استعمال کرو، اس لئے کہ مٹی میں بھی ازالہ ءنجاست اور قوّتِ طہارت موجود ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر مذاہب کے آئمہ کرام اسی وجہ سے فرماتے ہیں کہ جب کوئی برتن کتّے کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہو جائے تو وہ برتن سات مرتبہ دھونے اور مٹی سے مانجنے سے پاک ہوگا۔ کیونکہ حدیث مذکور سے یہ ثابت ہے اور اس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ایک جدید انکشاف سے بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ مٹی کے اندر ایسا مادہ ہوتا ہے جو کتّے کے جراثیم کو ختم کر دیتا ہے صرف پانی سے وہ جراثیم زائل نہیں ہو سکتے، اس لئے مٹی سے تیمّم کا حکم ہوا"۔

تیمّم میں ہاتھ اور چہرہ کی تخصیص اور اس کی حکمت

تیمّم میں صرف دو اعضاء (منہ اور ہاتھ) کا مسح کیا جاتا ہے۔ سر اور

پاؤں کا مسح نہیں کیا جاتا اس میں حکمت اور راز یہ ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسندیدہ شمار کیا جاتا ہے، اور عام رواج میں مٹی کا سر پر ڈالنا مکروہ اور قبیح سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ عام مصائب اور حوادثات کے وقت اہل عرب اپنے سروں پر مٹی ڈالتے تھے، اس لئے تیمّم میں سر پر مٹی مَلنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس لئے کہ تیمّم قربت اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے نہ کہ مصیبت اور حادثہ کا، اور تیمّم میں پاؤں پر مسح یعنی مٹی مَلنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ پاؤں پہلے سے ہی گرد آلود رہتے ہیں۔ خصوصاً اھل عرب جو صحراء اور مٹی ریت وغیرہ پر چلتے تھے اور ان کے پاؤں اس وجہ سے غبار آلود رہتے تھے، اس لئے پاؤں پر مسح کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے۔

اور منہ کا مسح کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ منہ کو خاک آلود کرنے میں عبودیت (بندگی) عجز و انکساری اور کسرِ نفسی کا اظہار ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تیمّم میں اس کو لازم قرار دیا، تیمّم میں دو عضوؤں یعنی منہ اور ہاتھ کو خاص کرنے اور سر اور پاؤں کا مسح نہ کرنے میں یہی حکمت ہے۔ یہ حکمت بڑی دقیق اور یہ راز بڑا عجیب ہے۔ یاد رکھئے۔ اور دونوں ہاتھوں کے مسح کرنے میں وہی حکمت ہے جو ہم وضو میں بیان کر چکے ہیں۔

حالتِ جنابت میں سارے بدن کا تیمّم نہ کرنے کی حکمت

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر سارے بدن کا تیمّم مشروع ہوتا تو یقیناً اس میں مشقت اور حرج لازم آتا، ہر عقل رکھنے والا شخص اس کو خود ہی سمجھ سکتا ہے اور ہر فطرتِ سلیمہ رکھنے والا اپنی فطرت اور طبیعت سے اس کی وجہ معلوم

کر سکتا ہے اور نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اگر سارے جسم کے تیمّم کا حکم دیا جاتا تو انسان جو افضل المخلوقات ہے گدھے کے مشابہ ہو جاتا جو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا کرتا ہے یا خچر کے مشابہ ہو جاتا جو ریت اور چھوٹے سنگریزوں سے جسم کو رگڑ کر لذّت حاصل کرتا ہے۔ انسان کا بہائم اور حیوانات کی مشابہت سے منزّہ اور ممتاز ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق جل شانہ نے سارے بدن کے تیمّم کرنے کا حکم نہیں دیا، اس سے اس حکیم ذات کی عجیب حکمت سمجھ میں آتی ہے''۔

موزوں پر مسح کرنے کی حکمت

موزوں پر مسح کرنے کی حکمت اصل میں بندوں کو رخصت اور آسانی دینا ہے۔ خوشحال اور آسودہ حال لوگ نیز وہ مسلمان جو خصوصاً ٹھنڈے علاقوں میں رہتے ہیں اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ موزے پہنے رہتے ہیں، سردیوں اور گرمیوں میں بھی نہیں چھوڑتے، اسی طرح جو شخص پاؤں دھونے میں ذرا سا حرج یا مشقت محسوس کرتا ہے وہ بھی موزے پہنے ہوئے نظر آئے گا، اسی لئے فقہاء کرام نے اس رخصت کا نام ''رخصتِ ترفیہ'' یا ''رخصتِ تخفیف'' رکھا ہے۔ یعنی وہ رخصت جو رفعِ حرج کی خاطر دی گئی ہے۔ اور پھر آپ مدّت مسح میں غور کریں کہ مقیم کو تو صرف ایک دن اور ایک رات تک مسح کرنے کی اجازت دی گئی اور مسافر کو تین دن اور تین راتوں تک مسح کرنے کی رخصت دی گئی ہے، اگر آپ اس میں غور کریں گے تو سوائے تخفیف (آسانی) کے اور کوئی معقول وجہ یا حکمت

آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی کہ مقیم تو اپنے وطن میں اور اپنے گھر میں موجود ہے اور راحت و آسانی کی حالت میں ہے اس لئے اس کے لئے ایک دن سے زیادہ کی رخصت نہیں رکھی گئی اور جب کہ مسافر کو سختیاں اور مشقتیں پیش آتی رہتی ہیں اس لئے اسے تین دن رات کی رخصت عطا ہوئی''۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

﴿ ذٰلِکَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَرَحۡمَةٌ ﴾

(البقرة : ۱۷۸)

یعنی ''یہ تمہارے پروردگار کیطرف سے آسانی اور رحمت ہے''

واللّٰہ خیر الرّاحمین۔

نجاستوں کے پاک کرنے کی حکمت

اس کی حکمت و علّت بتانے سے پہلے ایک مختصر مقدمہ سن لیجئے تا کہ قاری کتاب کے لئے اس کی علّت و حکمت سمجھنا آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے علم کے مخفی خزانوں سے باخبر اور مطلع فرمائے۔ یاد رکھئے کہ نجاست کا لغوی معنی ہوتا ہے گندگی، اور گندگی وہ چیز ہے جس سے نفوس کراھت کرتے ہیں اور گھن کھاتے ہیں، جب آپ کو نجاست کا لغوی معنی معلوم ہو گیا کہ نجاست گندگی کا نام ہے تو بدن اور کپڑے کے پاک کرنے کی حکمت اور اس کا راز بھی آپ کے سامنے کھل گیا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی انسان کسی امیر، وزیر یا اپنے کسی دوست اور صاحب سے ملاقات کا ارادہ

کرتا ہے تو فاخرانہ اور اعلیٰ عمدہ قسم کا لباس پہنتا ہے بلکہ ملاقاتی لباس الگ سے رکھتا ہے، بدن یا کپڑے کے ناپاک یا گندہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ربّ العالمین کے بارے میں تیرا کیا حال اور خیال ہے وہ ذات تو ظاھری باطنی تمام احوال سے باخبر ہے، کیا وہ ذاتِ عالی امیر و وزیر سے بھی زیادہ حقدار نہیں ہے کہ اس کی ملاقات کی تیاری کے لئے خوب نظافت اور طہارت حاصل کی جائے؟

خصوصاً اس وقت جب کہ تو جماعت کے ساتھ اس کی بارگاہ میں پیش ہو رہا ہو، کیونکہ اگر تیرے کپڑے اور تیرا بدن پاک نہیں ہوگا تو تیری بدبو اور گندگی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف اور اذیّت پہنچے گی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے لئے جسم اور کپڑے کا پاک ہونا واجب قرار دے دیا تاکہ اجتماعی مصلحت کی رعایت ہو اور اس کی ملاقات کا ادب بھی ملحوظ رہے۔

طہارت کی حکمت کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک ہی کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

﴿اَلنِّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ﴾

یعنی ”طہارت اور صفائی ستھرائی ایمان کا حصّہ ہے“

غسلِ حیض و نفاس کے واجب ہونے کی حکمت

حیض ایک غلیظ گندہ خون ہے جو عورت کی شرمگاہ سے نکلتا ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس حیض کو اذیٰ یعنی گندگی فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذىً ﴾
(البقرة : ٢٢٢)

یعنی ''وہ آپؐ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپؐ فرما دیں کہ وہ گندگی ہے''

اللہ تعالیٰ نے ایامِ حیض میں عورتوں سے الگ رہنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ اس خون میں زہریلے جراثیم اور قاتل مواد ہوتے ہیں۔ ایسی عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے اس حال میں کھڑی ہو کہ اس کی سُرین سے گندہ خون بہہ رہا ہو، اسی لئے جب حیض و نفاس کا خون بند ہو جائے تو اس پر غسل کرنا واجب قرار دیا گیا، جہاں تک تعلق ہے حیض و نفاس اور طہر کی مدت کا تو اس کا تعلق ہمارے موضوع سے نہیں ہے بلکہ علم فقہ سے ہے''۔

نماز کے فرض ہونے کی حکمت

نماز کے مشروع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ نماز مؤمن کی معراج اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسی لئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ ''جعلت قرّة عيني في الصلوٰة '' یعنی نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ یقیناً نماز اپنے مولیٰ سے مناجات اور اس کے روبرو کھڑے ہونے کا نام ہے، اور اسی نماز کے ذریعہ اس مالک حقیقی کا قرب نصیب ہوتا ہے، اس لئے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم، تکبیر، تحمید و تقدیس اور خشوع و خضوع پر مشتمل ہے۔ جوارح اور اعضاء کے ذریعہ خشوع اور عاجزی

زبان کے ذریعہ تقدیس و تحمید اور دل کے ذریعہ اس کی نزہت اور پاکیزگی بیان کی جاتی ہے، رکوع خضوع کی ابتداء اور سجدہ خشوع کی انتہاء پر دال ہے، رکوع اور سجدہ تعظیم و احترام کی انتہا ہے، اور دونوں سے مقصد اپنی ذلت و عاجزی کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رکوع اور سجدہ غیر اللہ کے لئے جائز قرار نہیں دیا گیا صرف ایک ذات بابرکات کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔ نماز کی ایک حکمت اور بھی ہے، وہ ہے عہد و پیمان کی تجدید اور ذکر پر مداومت اور ہیشگی، چنانچہ یہ نماز اس مکتوب کے مشابہ ہے جو کسی محبوب کو بھیجا جائے، اور یہ نماز اس پیغامِ محبت کی طرح ہے جو کسی معشوق و مطلوب کو دل کی گہرائی سے بھیجا جائے، جس سے محبّ اور محبوب کا تعلق استوار ہوتا ہے، کیونکہ اگر یہ مکتوباتِ محبت اور پیغاماتِ مودّت نہ ہوتے تو محبوب اس کو بھول جاتا اور محبت کا سارا تعلق منقطع ہو جاتا، نماز کی یہی حقیقت ہے۔ نماز انسان کو اس کے رب کے قریب اور حظیرۃ القدس کے نزدیک کرتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

﴿ الصّلوٰۃ عماد الدّین فمن اقامها فقد اقام الدین و من هدمها فقد هدم الدین ﴾

یعنی ''نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم کیا یقیناً اس نے سارے دین کو قائم کیا اور جس نے وہ ستون ڈھا دیا یقیناً اس نے دین کو ڈھا دیا''۔

یہی وجہ ہے کہ آپ تارکِ صلوٰۃ کو دیکھیں گے کہ وہ قساوت قلبی اور

غفلت دینی میں مبتلا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نماز ہمیشہ پڑھنے پر ہماری مدد فرمائے۔ انّه سمیع قریب مجیب"۔

دن کی نمازیں سرّی اور رات کی جہری ہونے کی حکمت

اس میں حکمت یہ ہے کہ دن کے وقت بازاروں میں شور و شغب مچا رہتا ہے۔ لوگ اپنے معاش اور مصالح میں مشغول ہوتے ہیں، جس کے سبب انسان کی عقل و فکر متفرق اور متحیر رہتی ہے، اس لئے مناسب ہوا کہ دن کی نمازیں سری (خفیہ) ہوں، ایسے مواقع پر قرأت سِرًّا ہی بہتر ہے تا کہ نمازی کو خاطر جمعی بھی حاصل ہو جائے، اور تفکر و تدبر کے ساتھ نماز بھی پڑھ سکے، نمازی اپنی نماز میں سکوت کے ساتھ اپنی توجہ الی اللہ اور رجوع الی اللہ کا اعلان کرتا ہے۔ اس میں اور بھی محاسن شریعت موجود ہیں جو عقل و حکمت سے اخذ کردہ ہیں۔ لیکن چونکہ نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز کسوف اور نماز استسقاء میں اصل مقصد وعظ و تلقین اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ ہوتی ہے، اس لئے ان مواقع پر قرأت جہراً بہتر سمجھی گئی، ظاھر ہے وعظ و تلقین اور تعلیم و تبلیغ کا مقصد جہر سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، اور رات کا وقت چونکہ سکون و سکوت اور اطمینان و راحت کا ہوتا ہے، انسان کی فکر اس وقت مختلف مشاغل سے عموماً خالی ہوتی ہے، خصوصاً نیند کے بعد، اس لئے رات کی نمازوں میں قرأت جہراً مقرر ہوئی، تا کہ زبان کو دل سے پوری پوری موافقت ہو"

اذان اور اقامت کی حکمت

اذان میں حکمت معاش میں مشغول اور غافل لوگوں کو متنبہ کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ لوگ نماز کی تیاری کے لئے کسی متنبہ کرنے والے شخص کے محتاج ہیں کیونکہ عام طور پر لوگ سہو و غفلت میں پڑے ہوتے ہیں۔ جب اذان کی آواز ان تک پہنچے گی تو ان کی غفلت دور ہو جائے گی ان میں طلب و شوق پیدا ہو جائے گا، اور اقامت میں حکمت یعنی تکبیر کی مشروعیت دراصل ہمتوں میں تحریک، فکر کو بیدار اور قوم کو اس بات پر تیار کرنے کے لئے ہوئی ہے کہ اب بادشاہ کی ملاقات کے لئے تیاری کر لو، اقامت کا حال ایسا ہے جیسے کوئی قوم اپنے بادشاہ کے دربار میں بیٹھے اس کے آنے کا انتظار کر رہی ہو، پھر بادشاہ کا داعی آئے اور وہ آتے ہی کہے کہ بادشادہ کی آمد کا وقت ہو گیا ہے، لہٰذا اس سے ملاقات کے لئے تیار ہو جاؤ، چنانچہ سارے لوگ اپنے بادشاہ کے استقبال اور اس کے حضور میں اجتماع منعقد کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسجد میں اقامت ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دربار میں داعی ہوتا ہے''۔

نفل نماز کی حکمت

نفل نمازیں اس لئے مشروع ہوئیں ہیں تاکہ فرائض میں جو کمی کوتاہی رہ گئی تھی وہ نوافل کے ذریعہ پوری کی جا سکے۔ کیونکہ نمازی جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نماز تو بظاہر پڑھ رہا ہوتا ہے مگر اس کا دل خشوع و خضوع سے خالی ہوتا ہے اس لئے نوافل اور سنن کا حکم دیا گیا تاکہ فرض نماز میں جو نقصان رہ گیا ہے اس کی تکمیل اور تلافی ہو جائے اور فرض میں کمی کوتاہی کی وجہ سے جو خلا رہ گیا ہے اس کو پر کیا

جا سکے"۔

نماز باجماعت پڑھنے کی حکمت

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا تاکہ امّت کے افراد کے مابین اتحاد، یکجہتی الفت ومحبّت اور اسلامی اجتماعیت اور دینی رابطہ اور تعلق کو پیدا کیا جا سکے، جس میں ایک حقیر امیر کے برابر کھڑا ہو، جماعت کی صفوں میں چھوٹا بڑے کے ساتھ اور حقیر امیر کے آگے بیٹھا ہو اور سب کے سب وہاں بیٹھے نیک کام اور تقویٰ پرہیز گاری اختیار کرنے کا عہد و پیمان باندھ رہے ہوں، اور ایک دوسرے کو خیر و بھلائی کے ساتھ پیش آنے اور حسنِ سلوک کرنے کی تاکید وتلقین کر رہے ہوں، اگر کوئی فرد نظر نہیں آتا تو سارے نمازی اس کے متعلق پوچھتے ہیں۔ حتّٰی کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی عیادت کے لئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات پیش آ جاتی ہے جس سے دین کی اھانت ہوتی ہے تو اپنے دین کے دفاع کے لئے سب جمع ہو جاتے ہیں، بہرکیف جماعت کے فوائد بے شمار ہیں اور اس کے ثمرات شمار سے باہر ہیں۔ جمعہ اور عیدین کو اسی پر قیاس کر لیں البتہ جمعہ وعیدین میں خطبہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس کی حکمت یہ ہے کہ انسان ایک ایسے خیر خواہ کا محتاج ہے جو اس کی رہنمائی کرے اور اسے دینی و دنیوی امور کی تعلیم دے، اور اس کو بے حیائی اور دوسرے تمام گناہوں سے اجتناب کرنے کی تلقین کرے، چنانچہ شارع کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ہمارے لئے ہر ہفتہ میں اور سال میں ایک دن اجتماع کا مقرر فرماتے اور ایک خطیب مقرر ہوتا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے

احکامات یاد دلاتا رہتا، اور ہمیں ممنوعات سے باز رکھتا، اسی لئے جمعہ فرض کر دیا گیا اور جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط خطیب یا ناصح (نصیحت کرنے والا) کا ہونا (یعنی خطبہ کا ہونا) قرار دے دیا گیا"۔

رباعی نماز میں قصر کی حکمت

ہم پہلے قصر کی حکمت اور اس کی مشروعیت ذکر کرتے ہیں، قصرِ صلوٰۃ کی حکمت یہ ہے کہ سفر بذات خود ایک عذاب اور مشقت آمیز چیز ہے، خاص طور پر اسلام کے ابتدائے زمانہ میں، جب اونٹوں پر سفر ہوا کرتا تھا، جنگل بیابان، سخت دشوار گزار اور طویل راستے طے کرنے پڑتے تھے۔ سفر کی مشقت اور دقت ہی کیا کچھ کم ہے؟ حتٰی کہ امّ المؤمنین سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا ہوتا کہ "**السفر قطعة من العذاب**" یعنی سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تو میں سفر کی مشقت اور صعوبت کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے لئے یوں کہتی کہ "**العذاب قطعة من السفر**" یعنی عذاب سفر کا ایک ٹکڑا ہے۔ تو چونکہ سفر میں طرح طرح کی مشقتیں اور صعوبتیں لاحق ہوتی ہیں، بسا اوقات تو سفر انسان کو دنیوی مشاغل کی خاطر اپنے وطن سے بھی دور جا پھینکتا ہے صبح و شام اس کی تلاش میں گھر سے دور رکھتا ہے، اس لئے مولٰی کریم نے مہربانی فرمائی اور احسان فرمایا کہ اپنے بندوں کو سفر میں نماز قصر پڑھنے کا حکم دیا۔ یقیناً یہ اپنے بندوں پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور تخفیف ہے۔

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ ﴾ (المائدہ : ٥٠)

ثلاثی اور ثنائی نمازوں میں قصر کی اجازت نہ دینے کی حکمت

بہر حال اب یہ جاننا چاہیئے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رباعی (چار رکعت والی) نماز میں تو قصر کی اجازت عطا فرمائی لیکن ثنائی (دو رکعت والی) اور ثلاثی (تین رکعت والی) نمازوں میں قصر کی اجازت نہیں عطا فرمائی؟ ثلاثی کی بات تو ظاہر ہے کیوں کہ رباعی نماز طویل ہونے کی وجہ سے حذف اور قصر کا احتمال رکھتی ہے یعنی قصر کے قابل ہے، اور ثنائی نماز قصر کے قابل ہی نہیں ہے یہ اس مصغّر کے مشابہ ہے جو تصغیر کو قبول نہیں کرتا، اور ثلاثی نماز جیسے مغرب کی نماز اگر اس کا ایک ثلث (۱/۳) حذف کر دیا جائے تو پھر اس کی مشروعیت کی حکمت ہی ضائع ہو جائے گی، کیونکہ نماز مغرب اس لئے مشروع ہوئی ہے تاکہ وتر النّھار یعنی دن کا وتر بنے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "المغرب وتر النهار "یعنی نماز مغرب دن کے وتر ہیں، اور اگر مغرب کے دو ثلث حذف کر دیئے جائیں تو اس سے نماز مغرب ہی ختم ہو جائے گی (اس لئے کہ ایک رکعت نماز، نماز نہیں ہے) لہٰذا زیادہ بہتر اور قرین انصاف یہی ہے کہ مغرب کی نماز پوری پڑھی جائے"۔

روزہ کی حکمت

روزہ کی حکمت اور اس کے کچھ فوائد تو ایسے ہیں جنہیں انسان خود بھی محسوس اور معلوم کر سکتا ہے، روزہ کی حکمت نفس کو سرکشی سے باز رکھنا، اسے

صعوبت اور مشکلات کا عادی بنانا، اس کی خود داری کو پست کرنا اور ذلت و خواری کے درجہ میں لانا ہے، یہ بات سب جانتے ہیں کہ انسان میں شہوت کا مادہ رکھ دیا گیا ہے جو اسے خواہشات کی طرف لے جاتا ہے، اور اس کے نفس میں ایسی قوتوں کے بیج بو دیئے گئے ہیں جو اس کو شرور کی طرف مائل کرتی ہیں، اور ضلالت و گمراہی کی جانب لے جاتی ہیں۔ بعض علمائے اخلاق جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کے نفس میں جبلی اور پیدائشی طور پر شر کا مادہ رکھا گیا ہے، اور نفس کی طبیعت میں فساد موجود ہے، ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔

انسان کے نفس میں شر اور خیر دونوں کی استعداد موجود ہے

میرا خیال یہ ہے کہ انسان کے نفس میں شر اور خیر دونوں کی استعداد اور صلاحیت موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾

(البلد : ۱۰)

اور

﴿ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كُفُوْرًا ﴾

(الدھر : ۳)

قرآن کریم کی مخالفت وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل اور کان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو۔ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ انسان کے نفس میں شر اور خیر دونوں چیزوں کی استعداد موجود ہے، سوائے اس شخص کے جس کی فطرت ہی میں شر و فساد موجود ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دیا کیونکہ

روزہ میں نفس کی تہذیب ہوتی ہے شہوات کا قلع قمع ہوتا ہے، فساد باطن کی اصلاح ہوتی ہے، یہ روزہ نفس کی خواہشات کو لگام دینے والا، باز رکھنے والا اور روکنے والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی ایک دواء اور ہر بیماری کا ایک علاج اور تریاق پیدا فرمایا ہے، یہ روزہ تمام دواؤں میں بہترین، نفع بخش دواء ہے اور قوّت وتاثیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب عمل ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو فرض قرار دیا، اور اپنے بندوں کو اس کا تاکیدی حکم دیا، جیسا کہ روزہ کی حکمت پہلے واضح کر دی گئی ہے۔

مسافر کو افطار کی رخصت دینے اور مقیم کو نہ دینے کی حکمت

قصرِ صلوٰۃ کی حکمت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مسافر چونکہ عام طور پر مشقتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ مشقت اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ مسافر کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھ پاتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ سفر کی صورت میں روزہ کے بارے میں انسان کو رخصتِ تخفیف دے دی جائے، علمائے اصول نے رخصتِ تخفیف کی تعریف یہ کی ہے کہ رخصتِ تخفیف کہتے ہیں اس حکم کو جو کسی دوسرے حکم کی بناء پر تخفیف اور آسانی کی غرض سے مشروع ہوا ہو، اس حکم کا سبب کسی عذر کی بناء پر مؤخر ہو گیا ہو جیسے مریض اور مسافر کے لئے افطار صوم کا جائز ہونا۔ رخصت کی اس نوع میں عزیمت پر عمل زیادہ بہتر ہے جب کہ ضرر کا یقین نہ ہو اس لئے کہ وجودِ سبب کی بناء پر وہ حکم اس کے ذمّہ میں ہے۔ اور مقیم شخص کی مشقت کا اعتبار شارع کی نظر میں

منضبط نہیں ہے اس لئے اسے رخصتِ افطار نہیں دی گئی۔ دقائقِ حکمت میں غور کریں اور اس کو سمجھیں شاید کہ آپ کا دل راحت اور اطمینان حاصل کرے۔ "واللہ الموفق للصواب"

حائض پر روزہ کے واجب ہونے اور نماز کے واجب نہ ہونے کی حکمت

اس کی حکمت یہ ہے کہ روزہ چونکہ پورے سال میں ایک ہی مرتبہ آتا ہے اور حیض والی عورت پر روزہ کے اعادہ میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی حرج ہے اس لئے روزہ کے اعادہ کا حکم واجب ہوا، کیونکہ بے شمار فوائد اور ثمرات ایسے ہیں جو روزہ رکھنے سے ہی حاصل ہوتے ہیں، تو اسی حرص اور لالچ کی خاطر کہ کہیں وہ عورت ان ثمرات سے محروم نہ ہو جائے اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ آپ کو روزہ رکھنے کے فوائد کچھ پہلے معلوم ہوئے، باقی رہی یہ بات کہ حائض کو نماز نہ لوٹانے کی حکمت کیا ہے؟ تو اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز چونکہ دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے، اگر نماز کے اعادہ کا حکم دیا جاتا تو اس میں حرجِ عظیم لازم آتا اور ناقابلِ برداشت مشقت لازم آتی، ہر روز بلکہ ہر وقت نمازیں دھراتی رہتی، خاص طور پر جب کہ زیادہ دنوں تک حالتِ حیض میں مبتلا رہے تو بڑی مشکل میں پڑ جاتی، نمازوں کی ایک کثیر تعداد اس کے ذمہ پڑ جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا تقاضا ہوا کہ حیض والی کو نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیا جائے۔ چنانچہ اس کو اعادہ ء

صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا گیا" واللہ واسعٌ علیمٌ۔

زکوٰۃ کی حکمت

زکوٰۃ کی حکمت صاحبِ بصیرت انسان کے سامنے بالکل واضح اور روشن ہے اور اس کے فوائد وثمرات، آثار و انوار اور مصالح سب کو معلوم ہیں، اس زکوٰۃ سے سخاوت کرنے والوں کی فضیلت ظاھر ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے چند فوائد وثمرات

زکوٰۃ بخل اور حرص کے مرض کا ازالہ کرتی ہے، یہ زکوٰۃ ایک دوائے شافی اور علاجِ نافع و مؤثر ہے جس سے انسان رذالت کی جڑ اکھاڑ پھینک سکتا ہے، بخل اور کنجوسی کا مرض ختم کرسکتا ہے، زکوٰۃ میں خوشحالی، سخاوت و فیاضی کا راز مخفی ہے جو اس کو بلندی اور سرداری کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ انسانی اجتماعیت کی شکل کی حفاظت اسی سے ممکن ہے اور نوعِ انسانی کی بقا اسی سے وابستہ ہے۔ امّت کے افراد کے مابین اخوّت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے، امت کو پستی سے نکال کر بلندی کی طرف اور فقر و افلاس سے نکال کر خوشحالی اور آسودہ حالی کی جانب لے جانا اسی زکوٰۃ کے ذریعہ ممکن ہے، یہ ہیں وہ فوائد جن کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے قرار دیا ہے۔ اللہ کے بندے جب اپنی محبوب چیز یعنی مال کو جو نفس و روح کا دوسرا بھائی ہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اس سے ان کے

مال میں طہارت و پاکیزگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور پروردگار کی بندگی اور اس کا تقرّب بھی ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مال میں چالیسواں حصّہ اور کھیت اور پھلوں میں بیسواں حصّہ واجب قرار دیا۔

حکیم ذات کی حکمت دیکھئے

حکیم ذات کی حکمت دیکھئے کہ انسان کی ضروریاتِ اصلیہ پر زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی جیسے غلام، باندیاں، گھر کا سامان، اسلحہ، سواری کپڑے وغیرہ، بلکہ چار قسم کے مال پر زکوٰۃ فرض فرمائی، یعنی کھیت، مویشی، سونا چاندی، پھل اور سامانِ تجارت۔ کیونکہ یہ وہ اموال ہیں جن سے بندوں کے معاملات زیادہ تر وابستہ ہیں اور تصرّفات کی حد میں آتے ہیں اور یہ وہ اموال ہیں جن کے ذریعہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا اظہار زیادہ ممکن ہے، جیسا کہ علم الفروع (فقہ) میں اس بات کی وضاحت موجود ہے۔ ان چند سطروں سے زکوٰۃ کی مشروعیت کی وجہ اور اس کی حکمت و مصلحت واضح ہوگئی ہوگی۔

حج کی حکمت

حج کے حکم میں اوّلاً حکمت یہ ہے کہ حج کا سفرِ بعید انسان کو سفرِ آخرت (موت) کی یاد دلاتا ہے جس سے پھر دوبارہ واپس لوٹنا نہیں ہوگا، حج کے سفرِ صغیر سے انسان اپنے سفرِ کبیر کو یاد رکھے، اہل و عیال اور دوست و احباب کے الوداع کہنے پر موت کے وقت عزیز و اقارب کے چھوڑنے کو یاد

کرے، اپنے گھر اور وطن سے جدائی پر دنیا اور اس کی رونق و شادابی سے نکلنے کو یاد کرے، سواری پر سوار ہونے کے وقت جنازہ کی چارپائی کو یاد کرے، احرام کے کپڑے جسم پر لپیٹنے پر کفن کے کپڑے پہننے کو یاد کرے، جنگل اور میقات کی طرف جانے میں دنیا سے نکل کر قیامت کے میقات پر پہنچنے کو ذہن میں لائے۔ سفرِ حج کے دوران راہزنوں کے خوف کے وقت قبر کے منکر و نکیر کو یاد کرے، حج کے زادِ راہ سے زادِ آخرت کو یاد کرے، جس روز اپنے ربّ کے حضور پیش ہونا ہوگا اور مولیٰ سے ملاقات ہوگی۔

اور ثانیاً حج کے حکم میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ حج بندگانِ خدا کو ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے، جس میں ایک چینی کا ہندوستانی سے، مغربی کا کردستانی سے اور مشرقی کا مغربی سے تعارف ہوتا ہے، جنس کے اعتبار مختلف امتوں کا باہمی تعارف ہوتا ہے اور مشرب و مذہب کے اعتبار سے مختلف جماعتوں کا باہمی رابطہ و تعلق پیدا ہوتا ہے۔ حج میں تعارف و اجتماعیت کی روح جھلکتی ہے، حج کے حکم میں ایسے بڑے بڑے آثار اور دلائل ظاہر ہوتے ہیں کہ انسان کی عقل ان پر حیران و سرگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک میں اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿ لیشهدوا منافع لهم و یذکروا اسم الله فی ایّامٍ معلوماتٍ علٰی مارزقهم من بهیمة الانعام ﴾

(الحج: ۲۸)

(ترجمہ) ''تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں، ذبح پر چوپایوں اور مویشی

کے جو اللہ نے دیئے ہیں ان کو''
حج کی مذکورہ حکمت اور ثمرہ اہلِ دانش کے لئے کافی ہے۔
انّ فی ذالک لاٰیاتٍ لقومٍ یعقلون۔" (الرعد: ٤)

بیع وشراء کی حکمت

بیع کی سب سے اچھی تعریف یہ کی گئی ہے۔
﴿ هو تمليك عين مالية بمعاوضة باذنٍ شرعيٍ ﴾
یعنی ''مالی چیز کا شرعی اجازت سے کسی معاوضہ میں کسی کو مالک بنانا''

صاحبِ بصیرت انسان پر بیع وشراء کی حکمت ومصلحت مخفی نہیں ہے کہ معاملات حیاتِ انسانی کے اہم ترین اسباب و وسائل اور آبادکاری کا عظیم راستہ ہے۔ کیونکہ نظامِ حیات کی چکی اسی کے گردگھومتی ہے اور اسی کے ستونوں پر انتظامات اور قوانین کی چھت اٹھائی گئی ہے۔ اسی کے ذریعہ مالکوں کے درمیان منافع کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اگر یہ بیع اور اس کی تمام صورتیں اجارہ، قرض، رہن وصیّت وغیرہ نہ ہوتیں تو سارا نظامِ زندگی درہم برہم ہو جاتا، اور تمام انسانیت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتی، اگر باہمی معاملات نہ ہوتے تو ساری کائنات کا نظم ونسق، دنیوی معیشت کا انتظام اور ضروریاتِ زندگی کا حصول معدوم ہو جاتا۔ بیع وشراء سے انسان کا متمدّن ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے، "**الانسان مدنی بالطبع**" کہ انسان طبعًا متمدن ہے۔ یعنی مجموعی طور پر انسان کا ہر فرد اپنی حاجات، ضروریات

اورمنافع کے تبادلہ میں دوسرے فرد کا محتاج ہے۔ جیسے کُل اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے، چھت اپنے ستونوں کی اور دیواروں کی محتاج ہوتی ہے۔ مثلاً آپ ایک کسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آلہء زراعت کا محتاج ہے ظاھر ہے وہ آلہ لکڑی اور لوہے سے بنا ہوا ہوگا تو اس طرح وہ دو کاریگروں یعنی ایک لوہار اور دوسرے بڑھئی کا محتاج ہوا وہ دونوں بھی کھانے کے محتاج ہیں، اس لئے وہ اس کسان کی حاجت یعنی آلہء زراعت کو پورا کر کے اپنی حاجت دور کریں گے، جب آپ سرسری نظر سے دیکھیں گے تو کسان، لوہار اور بڑھئی ان سب کو اپنے اجسام کی ستر پوشی میں ایک جولاہے کا محتاج پائیں گے، یہی حال ہر شخص کا ہے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ **سنة اللّٰه فی خلقه و لن تجد لسنّة اللّٰه تبدیلا**" (الاحزاب: ٦٢)

سود کے حرام ہونے کی حکمت

ربا کی تعریف یہ ہے۔

﴿هو فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال﴾

یعنی ربا کہتے ہیں مالی معاوضہ کے سلسلہ میں بلاعوض مال کا زائد لینا۔

ربا دوقسموں کو شامل ہے۔

(۱) ربا نسیئہ (ادھار) (۲) ربا فضل (زیادتی)

سود کے حرام ہونے کی حکمت بندوں کے لئے راہِ فساد کو مسدود کرنا اور مسلمان بھائی کا مال ظلماً کھانے سے باز رکھنا ہے۔ اس لئے کہ قرض کی

ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوتی جاتی ہے سود بڑھتا جاتا ہے حتی کہ مقروض کا سارا مال و اسباب اسی میں غرق ہو جاتا ہے، جس پر وہ سود خور پھر ناحق طور پر طمع و حرص کے ساتھ مستولی اور غالب آ جاتا ہے، اس طرح وہ اپنے مسلمان بھائی کا مال کھا جاتا ہے کہ اسکو کوئی فائدہ یا ثمرہ نہیں ملتا، سوائے خسارہ کے اور مال و اسباب کے ختم ہونے کے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، یقینی بات ہے کہ مقروض کو فقر و احتیاج ہی نے سود لینے پر مجبور کیا، اگر بالفرض سود جائز ہوتا تو کسی فقیر اور محتاج کو ایسا شخص نہ ملتا جس کے سامنے وہ دستِ معاونت دراز کرتا اور اپنی حاجت روائی کے لئے اس کے در پر جاتا۔ اور وہ اس کے فقر و افلاس پر رحم کرتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ فقیر بھوکا ہی مر جاتا اور حاجتمندی ہی کی حالت میں ہلاک ہو جاتا۔

قرآنی آیات میں سود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ کا ذکر

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور اپنی کتابِ مقدّس میں سود خوروں پر شدید وعید ذکر فرمائی، فرمایا۔

﴿یآایھا الذین اٰمنوا لا تأکلوا الربا اضعافاً مضاعفة﴾

(اٰل عمران: ۱۳۰)

''اے ایمان والو! دگنا چگنا کر کے سود نہ کھاؤ''۔

اسی طرح ارشاد ہے۔

﴿یاایّھا الذین اٰمنوا اتّقوا اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربا اِن کنتم مؤمنین. فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من

اللّٰــہ و رسـولــہ و ان تبتـم فـلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون﴾ (البقرة: ٢٧٩)

ترجمہ ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا، پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے، اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر''

اسی طرح ارشاد ہے۔

﴿یمحق اللّٰہ الربا و یربی الصدقات﴾

(البقرة: ٢٧٦)

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں''

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں پر شدید وعید فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر سودی معاملات سے باز نہیں آؤ گے تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''دو آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ان سے جنگ کرتے ہیں ایک سود خور اور دوسرے والدین کا نافرمان۔ یہ ہے حرمتِ ربو کی حکمت، ربو کی دوسری انواع کی حرمت کی حکمت و مصلحت اسی سے معلوم کر لیں اگر طولِ بیانی کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور مفصّل طور پر ذکر کرتے۔

بیع میں خیارِ شرط وغیرہ کی حکمت

خیار کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هو تفويض الامر الى رأى المشترى الى مدّة شرعيّة رفقًا بالمتعاقدين ﴾

''بائع ومشتری کی آسانی کے پیش نظر ایک شرعی مدت تک کے لئے معاملہ کو مشتری کی رائے کے سپرد کرنا''

اس خیار کی مشروعیت میں حکمتِ دفعِ مضرّت اور سہولتِ معاملہ ہے۔ تا کہ کسی متعاقد کو نقصان نہ پہنچ جائے، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبیع (فروخت شدہ چیز) میں کوئی باطنی عیب ہوتا ہے جب تک وہ اس مبیع کو غور و فکر کے ساتھ دیکھ نہ لے، اچھی طرح دیکھ بھال نہ لے وہ باطنی عیب اسے معلوم نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے اس غور وفکر کے لئے اتنی متعین مدّت درکار ہے جس میں وہ مبیع کی تفتیش، تحقیق اور جانچ پڑتال کرسکتا ہو۔ چنانچہ اس کو تین انواع میں شرعی مدّت کے اندر خیار کی اجازت دی گئی، یعنی خیارِ شرط، خیارِ مجلس اور خیارِ عیب''۔

بیع سلم کی حکمت

بیع سلم کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هو بيع آجل بعاجل ﴾

یعنی ''وہ بیع جس میں ثمن مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے دے دیا جائے''

بیع سلم کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس لئے پیدا کئے گئے ہیں تا کہ دنیوی مصالح میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، بعض لوگ

ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پاس دنیا کا مال اور اس کی دولت وافر مقدار میں ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ جو چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں، جیسے اگر کسان ہے تو اپنی زمین کے لئے بیج وغیرہ خرید لیتا ہے، کپڑا بننے والا بننے کے لئے روئی خرید لیتا ہے، اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو کوئی کام کاج، صنعت وحرفت تو کر سکتے ہیں یعنی ہنر پیشہ وغیرہ تو جانتے ہیں مگر وہ مالدار کیا حقیر اور معمولی چیز کے بھی مالک نہیں ہوتے، چنانچہ شریعتِ مطہرہ نے اس کے حال پر رحم کرتے ہوئے اور اس کے دنیوی امور کی درستگی کے لئے اس کو بیع سلم کی اجازت عنائیت فرمائی، چند شرائط کے ساتھ بیع سلم اس کے لئے جائز قرار دی گئی مثلاً جنس متعین ہو، نوع اور وصف وغیرہ بیان کر دی ہو، اور ثمن پہلے لے کر اس سے لوازمات مثلاً زمین کے لئے بیج، کپڑے بننے کے لئے روئی اور دیگر آلات وغیرہ خرید لے، اس سے دونوں متعاقدین کو فائدہ حاصل ہوگا، ایک کو مالی اعانت سے اور دوسرے کو نفع سے فائدہ حاصل ہوگا۔

رہن کی حکمت

رہن کی تعریف یہ ہے۔

﴿ھو عقد یتضمن جعل عین مالیة و ثیقة بدین یستوفی منھا عند تعذر الوفاء﴾

یعنی ''رہن ایسی مالی چیز کو کسی حق کے عوض میں روک لینے کو کہتے ہیں جس سے حق کی وصول یابی ادائیگی کے دشوار ہونے کے وقت ممکن ہو''

رہن کی مشروعیت میں حکمت اور محاسن یہ ہیں کہ راہن (گروی رکھنے والا) اس مرھونہ چیز (گروی رکھی ہوئی چیز) سے فائدہ اٹھا لیتا ہے، اپنی پریشانی کو اس کے ذریعہ دور اور غم کو کافور کرتا ہے، ظاہر ہے یہ صورت اس کو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ اپنی چیز رہن رکھنے پر مجبور ہوتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی چیز مرتھن (جس کے پاس گروی رکھی جائے) کے زیرِ قبضہ دے کر اس سے کچھ مال لے لیتا ہے تا کہ اس سے اپنی حاجت کو پورا کرے اور اپنی احتیاج دور کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ رہن کی اجازت دے دی جائے کیونکہ اس میں راہن کو کچھ فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر رہن کی اجازت نہ دی جاتی تو وہ بھوکا ہی مر جاتا اور حالتِ فقر میں ہی ہلاک ہو جاتا۔ اور اس میں مرتھن کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرتھن کو راہن پر اعتماد نہیں ہوتا یا راہن کے جھگڑالو ہونے کی وجہ سے اسکو مال نہیں دیتا یا خود وہ راہن ہی واقعۃً امانت دار نہیں ہوتا ہے، ان صورتوں میں مرتھن کو اپنے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مرتھن کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے مال کے مقابلہ میں اس سے کوئی چیز لے لے تا کہ وہ راہن کے انکار یا قرض میں تصرف یا حالتِ افلاس میں فوت ہونے کی صورت میں اپنا حق وصول کر سکے"

حجر کی حکمت

حجر کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هو المنع من تصرفات خاصة باسبابِ خاصةٍ ﴾

یعنی ''حجر خاص اسباب کی بناء پر خاص قسم کے تصرّفات سے روکنے کو کہتے ہیں''

وہ اسباب تین ہیں۔

(۱) صغرسنی (۲) مملوکیت (۳) جنون

یعنی نابالغ بچہ، غلام اور مجنون تصرّفات اور معاملات کے اہل نہیں ہیں، سرپرست اور منتظم کی اجازت کے بغیر ان کے تصرّفات معتبر نہیں ہیں۔ اگر ان کا کوئی ولی اور سرپرست نہ ہوتا جو ان کے مال کی نگرانی اور نگہبانی کرتا تو ان کے مال و اسباب ضائع و برباد ہو جاتے، اس لئے ان کو تصرّفات سے روک دیا گیا اور ان کے معاملات کو غیر معتبر قرار دیا گیا۔ مثال کے طور پر اگر نابالغ بچہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ مصلحت اندیش نہ ہونے کی وجہ سے اپنا سارا مال مشقت اور مضر مواقع میں صرف کر ڈالتا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ فقیر اور مفلس ہو جاتا۔ مجنون کو اسی پر قیاس کر لو کیونکہ وہ بھی نابالغ بچہ کی طرح اپنا نفع و نقصان نہیں جانتا اور غلام چونکہ اپنے مال کا مالک نہیں ہوتا اس کا سارا مال اس کے آقا کی ملک ہوتا ہے اس لئے اس کا تصرّف بھی آقا کی اجازت کے بغیر معتبر نہیں ہے۔

بہر حال ان لوگوں میں چونکہ عقل کی کمی ہے اور تصرّفات اچھے طریقہ سے نہیں کر سکتے اس لئے ان کو تصرّفاتِ بیع و شراء سے روک دیا گیا اور ایک ولی اور سرپرست کے ذمہ لگا دیا کہ جب تک ان کی عقل کامل نہ ہو جائے ان کی زندگی میں ان کے مال کی حفاظت کرے جب وہ کامل العقل ہو جائیں تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دے کیونکہ اب ان کا مال ان کے حوالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اجارہ کی حکمت

اجارہ کی تعریف یہ ہے۔

﴿ھی عقد علی منفعةٍ مقصودةٍ معلومةٍ قابلة للبذل والاباحة بعوض معلوم﴾

یعنی ''قابلِ اباحت منفعتِ معلومہ کو عوضِ معلوم کے بدلہ میں فروخت کرنا''

اجارہ کی مشروعیت میں حکمت طرفین میں منفعت کا تبادلہ ہے۔ مالک کو معاوضہ لینے سے اور مستاجر (کرایہ دار) کو اس کے منافع استعمال کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس امر کی وضاحت یہ ہے کہ انسان بسا اوقات کسی چیز کے خریدنے پر قادر نہیں ہوتا یا قادر تو ہوتا ہے مگر منفعت بہت کم اس کو حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس مال وغیرہ ہے اس میں اضافہ ہو کیونکہ اجارہ کا فائدہ کسی چیز کے مالک بننے سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اجارہ کا ارادہ کرتا ہے کیونکہ اجارہ میں اس کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنا مال اجارہ کی غرض سے دکان کی تعمیر میں صرف کر کے ختم کر دے اور پھر تجارت کے لئے اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے اس سے یہی اجارہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بابِ اجارہ کھول دیا اور اسکو اپنا مال اجرت پر دینے کی اجازت دے دی جو لوگ رہائش کیلئے مکانات اور دکانیں بنانے کی طاقت رکھتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی کہ وہ زمین خریدیں اور اسے اجرت پر دیں تاکہ ان سے اجارہ کے منافع

حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اجارہ کا طریقہ بتایا اور اس کی راہیں کھول دیں تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

شفعہ کی حکمت

شفعہ کی تعریف یہ ہے۔

﴿حق تملک قهری یثبت للشریک القدیم علی الشریک الحادث فیما ملک بعوض﴾

یعنی ''شفعہ ایک جبری طور پر مالک بننے کا حق ہے جو قدیم شریک کے لئے جدید شریک کے خلاف مال کے عوض میں ثابت ہوتا ہے''

شفعہ کی حکمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ شمار سے باہر ہیں اسی لئے تمام ادیان میں شفعہ احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور اسے دین و شریعت کے محاسن میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حکیمی کا تقاضا ہوا کہ تمام مکلفین سے ضرر کو دور کیا جائے۔ چنانچہ اس ذات نے ان کے لئے شفعہ کی اجازت مرحمت فرمائی جو لوگوں کو ضرر کے لاحق ہونے سے روکتا ہے اور فساد کے اسباب پیدا ہونے سے مانع ہے۔ اس امر کی وضاحت یہ ہے کہ جب کوئی شریک اپنے حصّہ کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشتری بسا اوقات سخت مزاج، فسادی اور ظالم ہوتا ہے۔ اس سے بائع کے شریک کو اذیّت اور تکلیف پہنچ سکتی ہے، یعنی باہم ایک ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوگی اور یہ صورت حال کثیر الوقوع ہے۔

شفعہ کی حکمت دفعِ مضرّت اور رعایتِ حق ہے

اس لئے حکیم ذات کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ جب ایک شریک اپنا حصّہ دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو دوسرے شریک کو جبراً اس کے حصّہ کے لینے کا حقدار قرار دیا جائے تاکہ وہ فساد میں مبتلا نہ ہو جائے اور ضرر اور خصومت کا دفعیہ ہو سکے جس کا احتمال موجود ہے۔

یہ حکمت اور مصلحت تو نفس مبیع یا حق مبیع میں شریک کے بارے میں ہے اور باقی رہی حکمت پڑوسی کے متعلق تو وہ بالکل ظاہر ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب کوئی مالک اپنی مملوکہ چیز مثلاً گھر یا دکان وغیرہ فروخت کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا کوئی ہمسایہ ہو جو اس کے گھر کے متصل رہتا ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمسایوں کے مابین کس قدر حسد، کینہ اور لڑائی جھگڑا ہوا کرتا ہے۔ عام طور پر کوئی پڑوسی اپنے بُرے ہمسایہ کے شر سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتا، یا پھر اس ہمسایہ کا گھر اتنا تنگ ہو کہ ساتھ والے گھر کو خرید کر اپنے گھر کے ساتھ جب تک ملا نہ لے گھر کی تنگی کشادگی میں نہیں بدل سکتی۔ چنانچہ اسی بناء پر شارع نے اس کو خریدنے کا بدرجہ اولیٰ حقدار قرار دیا اور دوسروں پر اس کو مقدّم رکھا۔ جب تک وہ خود چند عادل گواہوں کے سامنے اپنے حق شفعہ سے دست برداری کا اظہار نہ کر دے اس کا حق باقی رہتا ہے اس سے مقصد اس کے حق کی حفاظت اور اس کی مصلحت کی رعایت ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غلط حیلے بہانوں سے دوسرے کا حق شفعہ ساقط کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس مذکورہ حکمت و مصلحت کے منافی

ہے۔ واللہ ولیّ التوفیق"

صلح کی حکمت

صلح کی تعریف یہ ہے۔

﴿هو عقد يحصل به قطع المنازعة﴾

یعنی "وہ ایک ایسا معاملہ ہے جس سے خصومت اور لڑائی جھگڑا ختم ہو جائے"

صلح کی حکمت متخاصمین (جھگڑنے والے) کے مابین نزاع کو ختم کرنا ہے۔ اور باہم نزاع کرنے والوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کو ختم کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس صلح کا تاکیدی حکم دیا اور امّت کو صلح صفائی کے معاملات قائم کرنے کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿لاخير في كثير من نجواهم اِلّامن امربصدقة أو معروف او اصلاح بين النّاس﴾

(النساء: ١١٤)

یعنی "کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں"۔

اور فرمایا

"والصّلح خير" (النساء: ١٢٨)

یعنی صلح بہتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کا بڑا اہتمام کیا ہے چنانچہ آپؐ نے دو عظیم قبیلوں کے درمیان صلح کروائی۔ عمرو بن عوف کی اولاد میں جب نزاع ہوا تو آپؐ نے ان کی صلح کروائی، اسی طرح جب کعب بن مالکؓ اور ابن ابی حدرد کے مابین نزاع ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صلح کروائی کہ حکم دیا کہ کعب کے قرض سے نصف حصّہ کم کر کے اس کے قرض خواہ کو وہ نصف ادا کر دیا جائے۔ مکمل حدیث صحیح درجہ کی کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صلح اتفاق کا عنوان ہے، رہنمائے ہدایت اور علَمِ استقامت ہے، صلح اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں سے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔

صلح صفائی ایک مطلوب اور مستحسن امر ہے لیکن ......

اگر کوئی مسلمان صلح کے مقام اور اس کی عنداللہ فضیلت سے واقف ہو جائے تو لوگوں کے مابین صلح کرانے میں ایک لحہ بھی تاخیر نہ کرے بلکہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے دلوں سے بغض و عناد کے جراثیم ختم کر سکتا ہو اور پھر وہ اس میں تاخیر کرے تو وہ ایک انسانیت کے ایسے گناہ کا مرتکب ہوگا جو ناقابلِ مغفرت ہے اور ایسے جرم کا مستحق ہوگا جو ناقابلِ عفو و درگزر ہے۔ واضح رہے کہ صلح صفائی ایک مطلوب اور مستحسن امر ہے، لیکن وہ صلح جو ایک حلال امر کو حرام کرنے یا حرام امر کو حلال کرنے کے لئے ہو وہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ جیسے حدود و تعزیرات کا کسی کی سفارش پر ساقط کرنا، یہ جائز نہیں ہے۔ صلح کی حکمت و مصلحت کے بارے میں اسی قدر بیان کافی ہے، اگر

ہم صلح کے فوائد و ثمرات کی وضاحت کریں گے تو کلام طویل ہو جائے گا، موقع و مقام کی تنگی اور یہ مختصر رسالہ اس کا متحمل نہیں ہے۔

قرض کی حکمت

قرض کی تعریف یہ ہے۔

﴿ھو تملیک الشیء علی ان یرد مثلہ بأجل او غیر أجل﴾

یعنی ''قرض کہتے ہیں دوسرے کو اس شرط پر کسی چیز کا مالک بنانا کہ وہ مدّتِ مقررہ یا مدّتِ غیر مقررہ میں اسی کے مثل چیز واپس لوٹائے گا''

قرض کی حکمت محتاج کی پریشانی کو دور کرنا، مصیبت زدہ کی مدد کرنا، مضطر کی عسرت دور کرنا اور فقیر کی حالت میں آسانی پیدا کرنا اور مفلس کو سہولت دینا ہے۔ قرض دینا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور نیز اس قرض میں ایک حکمت برادرانِ اسلام کے قلوب میں محبّت کا بیج بونا اور باہمی ہمدردی اور شفقت پیدا کرنا ہے۔ تاکہ قرض دینے والا اپنے معاشرہ میں رجا اور امید کا محل اور مرکز بن جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے آپؐ نے فرمایا ''تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب وہ شخص ہے جس سے اللہ کے بندے اپنے معاملات میں ہمدردی کی امید رکھتے ہوں'' قرض کی عظمت و اہمیت اور اس کے مقام و مرتبہ کے بیان کے لئے یہی ایک حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے۔

وقف کی حکمت

وقف کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هو حبس مال معين قابل للنقل يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه بقطع التصرف فيه على ان يصرف في جهة خير تقرباً الى الله ﴾

یعنی وقف کہتے ہیں ''قابل انتقال و انتفاع معیّن مال کو عینِ شے کی بقاء کے ساتھ روکے رکھنا اور اس کو محض تقرّبِ خداوندی کے لئے کسی خیر کی جگہ میں صرف کرنا''

وقف کی مشروعیت کی حکمت ایک مختصر مقدمہ کے بعد واضح ہو سکے گی اس لئے ہم پہلے ایک مختصر مقدمہ ذکر کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کے لئے کسی عاقل انسان کا شرح صدر فرما دیتے ہیں اور اس کو قولِ حکمت اور عملِ صواب کا الہام کرتے ہیں اور وہ شخص خوشحال اور آسودہ حال بھی ہوتا ہے تو وہ فقراء کی اعانت میں جلدی کرتا ہے، مساکین کو کھانا کھلاتا ہے۔ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، اپنا مال لوگوں پر اس قدر خرچ کرتا ہے کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے سب کا سب خدا کی راہ میں دے کر ختم ہو جاتا ہے، اس طرح اس کا نفع محدود ہو کر رہ جاتا ہے اس کا ثواب بھی محدود ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کو ثوابِ عظیم ملے گا لیکن وہ ثواب دائمی اور مستقل نہیں ہوگا، کیونکہ جزاء و ثواب کا مدار عمل کی مقدار اور میزان پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنا فضل عطا فرماتے ہیں۔

وقف دائمی اور مستقل اجر وثواب کا ذریعہ ہے

انسان کے دل میں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ کیا مجھے کوئی ایسا اجر و ثواب اور ایسی حسنات حاصل ہوسکتی ہیں جو مجھے مرنے سے پہلے بھی اور مرنے کے بعد بھی فائدہ دے یعنی وہ حسنات لازوال ہوں اور وہ اجر وثواب دائمی اور مستقل ہو۔ روزِ قیامت تک مجھے حاصل ہوتا رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور لطف و مہربانی کا تقاضا ہوا کہ وقف کی بندوں کو اجازت اور حکم دیا جائے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا عینِ مال وقف کرنے کی اجازت عطا فرمائی، اور اس پر جزائے احسن اور ثوابِ عظیم کا ترتّب فرمایا، جب کوئی شخص وقف میں بطیبِ خاطر سخاوت و فیاضی کا اظہار کرے تو اسے اللہ تعالیٰ غیر محدود اور غیر مقصور اجر وثواب سے نوازتے ہیں۔ امّت کے لوگوں کو اس وقف سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے، بہت سی قوموں کی حیات اور بہت سے فقیروں کی کفالت و کفایت اسی وقف سے وابستہ ہے، مساجد کی تعمیر، ہسپتالوں، یتیم خانوں اور مسافر خانوں کی بقاء اسی پر موقوف ہے۔ وقف وہ رکنِ رکین ہے جس پر انسان کے کثیر مصالح مبنی ہیں اور یہ وہ اساسِ متین ہے جس پر سخاوت و فیاضی کی قوت اور سر چشمہ قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ وقف پر ملنے والے ثواب و جزاء میں غور کریں گے تو آپ عطائے طویل اور جزائے جزیل پائیں گے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بناء پر ہے۔ اس سے وقف کا عظیم النفع، کبیر الشان اور کثیر الفضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آپؐ نے فرمایا ''جب انسان مر جاتا ہے تو سوائے تین چیزوں کے اس کے باقی سارے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے ایک صدقہ جاریہ دوسرے اولادِ صالح اور تیسرے علمِ نافع''۔

میراث کی حکمت

میراث کی تعریف یہ ہے۔

﴿هو ملك نصيبٍ مخصوصٍ للورّاث شرعًا﴾

یعنی ''میراث کہتے ہیں شرعی طور پر ورثاء کا مخصوص حصص کا مالک ہونا''

میراث کی مشروعیت میں حکمت و مصلحت مالِ میت میں عزیز و اقرباء کی مزاحمت کو روکنا اور مال متروکہ کی لوٹ مار سے غیر حقداروں کی اغراض کو دور کرنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدّس میں بیانِ شافی کے ساتھ یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ کون وراثت کا دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے اور کون وراثت کے استحقاق میں دوسرے پر مقدّم ہے اور کون مردوں اور عورتوں میں سے کل مال کا اور کون نصف، ربع اور ثمن کا مستحق ہے تو ہر شخص اپنے لئے اس مال متروکہ کا مدّعی ہوتا اور ہر ایک اپنے اثر غلبہ اور طاقت کے بل بوتے پر مالِ میت کو غصب کر لیتا۔ یوں میّت کے ورثاء اور اقرباء کے درمیان مخاصمت اور منازعت پیدا ہو جاتی ہر شخص دعویٰ کرتا کہ وہ سب سے زیادہ حقدار ہے، سب پر مقدّم اور سب سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حصّہ واضح طور پر مقرر کر دیا

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب حکمت دیکھئے کہ اس ذاتِ عالی نے مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کا حصّہ اس وضاحت سے بیان فرما دیا کہ کسی طرح کا خفا اور پوشیدگی باقی نہیں رہی، اور وراثت میں ہر ایک کا حصّہ اور مقدار اس تفصیل سے بیان کر دی کہ کسی قسم کے شک یا جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد اب کوئی بیان نہیں، اور اس کے سوا اب کوئی دوسری حجّت اور دلیل نہیں۔

قرآنِ حکیم میں وراثت کے متعلق جو آیاتِ بیّنات و شافیات ذکر ہیں ان سے راستہ واضح ہو گیا اور انسان کی حیرانگی اور سرگردانی دور ہو گئی، ان آیاتِ کریمات نے ورثاء کی تمام اقسام اور ان کے حصص کو مفصّل طور پر بیان کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسئلہ میراث کی خوب وضاحت اور تفصیل بیان فرما کر ہم پر فضل و احسان فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وراثت کے یہ مسائل ایسے ہیں جن کا ادراک عقل سے ممکن نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس مسئلہ کی حکمت کا ادراک اس کے حکم کے جاننے کے بعد ہی ہو سکا ہے اور اس کی مشروعیت کی حکمت اس ذات کو حکیم و بصیر جاننے کے بعد ہی سمجھ میں آئی ہے۔ وہ ذات جس کا کوئی قول حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور جس پر بندے کی کوئی مصلحت مخفی نہیں ہے۔

﴿ وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینهما لاعبین
ما خلقنا هما الاّ بالحقِ ولکنّ اکثر هم لا یعلمون ﴾

(الدخان: ۳۹)

یعنی ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی
چیزوں کو کھیل نہیں بنایا اور ہم نے ان دونوں کو حق کے
ساتھ ہی پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے''

یہ ہے حکمتِ میراث کا کچھ ادراک اور فہم جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق بخشی۔

لڑکے کا حصّہ لڑکی سے زیادہ ہونے کی حکمت

اس میں حکمت یہ ہے کہ لڑکا لڑکی سے زیادہ ضرورتمند ہے، اس لئے کہ مرد ہی میّت کے سارے امور کا اور گھر کی جملہ ضروریات کا ذمّہ دار ہوتا ہے، وفات پانے والے شخص کے بعد یہی مرد ہی خاندان کا سربراہ اور اپنے باپ کے بعد نائب ہوتا ہے۔ اسی لئے مرد کا حصّہ عورت سے دگنا ہے، عورت مرد کی طرح مال کی محتاج نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی جملہ ضروریات مرد کے ذمہ ہوتی ہیں، اس لئے عورت کا حصّہ مرد کے حصّہ سے نصف مقرر ہوا۔

نکاح کی حکمت

نکاح کی تعریف یہ ہے۔

﴿هو عقد يتضمن اباحة وطء بلفظ انكاح أو تزويج أو ترجمته﴾

یعنی ''نکاح ایک معاملہ ہے جو لفظ نکاح یا تزویج یا اس کے

ہم معنی لفظ سے منعقد ہوتا ہے جس سے ازدواجی تعلق
مباح ہو جاتا ہے"۔

نکاح کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ نکاح نسلِ انسانی کی بقاء، زمین کی آبادی، انسانی اولاد کی زیادتی اور حفاظت، پاکدامنی، بدنظری سے حفاظت، قضائے شہوت، مضر مواد کا اخراج، جسم و جان کی اصلاح اور کثرتِ اولاد وغیرہ جیسی حکمتوں پر مشتمل ہے۔

نکاح معاشرہ کی اصلاح کا سبب ہے

اگر نکاح مشروع نہ ہوتا تو ہزاروں لوگ صرف ایک عورت سے نزاع کرتے، اسے اچکتے اور اس ایک عورت پر ہزاروں لوگ لڑتے مرتے، اس کی خاطر لوگوں کے خون بہتے، چنانچہ نکاح مشروع کیا گیا تاکہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوسکیں اور قتل و غارت کو روکا جا سکے، ہر شخص اپنی زوجہ کی عزت و آبرو کی حفاظت اور اس کا دفاع کر سکے، اگر ہر ایک اپنی حاجت اس سے پوری کرنا چاہے اور اپنا حق اس سے لینا چاہے تو شرکائے زن کا حال کیسے درست رہ سکتا تھا یہ کسی بھی حالت اور صورت میں ممکن نہیں ہے، معاملہ کبھی بھی درست نہیں رہ سکتا تھا بلکہ فساد ہی فساد برپا ہو جاتا، البتہ اگر کوئی شخص شرافت اور غیرت کی حالت سے نکل کر کمینگی اور بے غیرتی کی حد کو پہنچ گیا ہو تو دوسری بات ہے لیکن ایسا ہے نادر، نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس نکاح کے ذریعہ دو اجنبی خاندانوں کے درمیان تعلق پیدا ہوتا ہے، جو اس سے پہلے قرابت دار نہیں تھے نکاح کے ذریعہ نسبی اور صہری (دامادی)

تعلق ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ محبت کے تعلقات اس سے استوار ہوتے ہیں، ایک خاندان دوسرے خاندان کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتا ہے، اگر کسی کو کوئی حادثہ یا مصیبت پیش آتی ہے تو ہر دوسرا اس کی پریشانی دور کرنے اور اس کا دفاع کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اس نعمتِ نکاح کا ذکر بطورِ احسان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿هو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبًا و صهرًا
و كان ربك قديرًا﴾

(الفرقان: ٥٤)

''وہ ذات جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کا نسب اور سسرال بنایا اور آپ کا پروردگار قادر ہے''

مرد کیلئے بیویاں چار اور باندیاں بے شمار رکھنے کی حکمت

اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض مرد نکاح کی شدید قوّت اور جماع کی کثیر خواہش رکھنے والے ہوتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جن کے مزاج میں سوداء کا غلبہ ہوتا ہے، مردوں کی ایسی صنف کے لئے ایک زوجہ ناکافی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسوں کے لئے عورتوں کی اتنی تعداد مباح فرما دی جو ان کے لئے کافی ہے یعنی چار عورتوں تک کی اجازت مرحمت فرمائی۔

صرف چار عورتیں کیوں مباح فرمائیں

صرف چار عورتیں اس لئے مباح فرمائیں تاکہ تین راتوں کے بعد

ہر زوجہ کے پاس باری باری آ سکے اور تین دن کی مقدار ایک ایسی مقدار ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں جیسے مسافر کے لئے مدّتِ مسح تین روز مقرر ہے، حاجی کے لئے افعالِ حج کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ میں تین دن کا قیام مقرر ہے اسی طرح ضیافت کی مدّت بھی تین روز مقرر ہے وغیرہ خلاصہء کلام یہ کہ تین کا عدد جمع کا اوّل درجہ ہے اس لئے چار عورتوں تک کی اجازت دی گئی (تا کہ زوج ہر تین راتوں کے بعد باری کے مطابق ہر زوجہ کے پاس آئے) اور چار کے عدد کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چار کا ہونا اس کی فطری خصلت اور عناصر اربعہ کی تعداد کے مطابق ہے۔ (عناصرِ اربعہ سے مراد آگ، ہوا، پانی اور مٹی)۔ باقی رہی بات باندیوں کی تو چونکہ باندیاں انسان کے دیگر اموال گھوڑے، غلام وغیرہ کی مانند ہیں، لہٰذا جب باندیاں بھی دیگر اموال کی طرح اموال ہیں اور اموال میں کوئی عدد لازم اور مقرر نہیں ہوتا اس لئے باندیوں میں کوئی عدد معیّن نہیں کیا گیا انسان کے دیگر اموال کی طرح جتنی تعداد میں چاہے انتفاع کرسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اس نکاح کے بے شمار فوائد و ثمرات اور اسرار رموز ہیں بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی ان کا احاطہ نہیں کرسکتیں چہ جائیکہ یہ مختصر رسالہ اس کا متحمل ہو۔ نکاح کے بعض اسرار کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے تا کہ وہ امرِ نکاح میں موجبِ بصیرت ہو۔

خلع کی حکمت

خلع کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هو لفظ يدلّ على فرقة بعوض مقصود راجع الى جهة الزوج ﴾

یعنی ''خلع ایک ایسا لفظ ہے جو اس مالِ مقصود کے عوض جدائی پر دلالت کرے جو خاوند کی طرف لوٹنے والا ہو''

خلع کی مشروعیت میں حکمت زوجین کے مابین قائم فساد کو دور کرنا، دونوں کی طرف سے پائے جانے والے ضرر کی تلافی کرنا، دونوں کے دلوں میں بھڑکی ہوئی لڑائی جھگڑے کی آگ کو بجھانا اور فتنہ وفساد کو ختم کرنا ہے۔

خُلع عورت کیلئے حصولِ راحت کا باعث ہے

اس امر کی وضاحت یہ ہے کہ عورت جب اپنے خاوند کی نافرمان ہو جائے اور خاوند کو اس سے شدید بغض پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر عورت کو حصولِ راحت کے لئے خاوند کو مال دے کر اپنی آزادی اور خلاصی حاصل کرنے کی اجازت نہ دی جاتی تو یہ ظلم ہوتا اور ناانصافی ہوتی اس لئے شریعتِ مطہرہ نے ایسی عورت کو مالی فدیہ دے کر اس سے آزادی حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تاکہ اسے راحت نصیب ہو اور دونوں گناہگار ہونے سے بھی بچ جائیں ظاہر ہے یہ حکم عدل و انصاف اور رأفت و رحمت کے عین مطابق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں مالی عوض کے ساتھ جدائیگی اختیار کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ فرمایا۔

﴿ فَلا جناح عليهما فيما افتدت به ﴾

(البقرة: ۲۲۹)

یعنی ''اگر عورت اپنے خاوند کو فدیہ دے کر آزادی حاصل کر لے تو اس صورت میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

خصوصاً جبکہ خاوند اتنے مال کا بھی مالک نہ ہو جس سے وہ پھر کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکے اس لئے خاوند کو اجازت دی کہ وہ اس سے مال لے کر عورت کو اس طرح آزاد کر دے کہ اس کی طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو تا کہ وہ خاوند پھر دوسری عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت پیدا کر سکے۔ یہ ہے خلع کی بہترین حکمت۔

''والحکم للّٰہ العلیّ الکبیر'' (المؤمن:۱۲)

طلاق کی حکمت

طلاق کی تعریف یہ ہے۔

﴿ ھو حل عقد النکاح بلفظ الطلاق و نحوہ ﴾

یعنی ''لفظ طلاق وغیرہ کے ذریعہ نکاح کی گرہ کھولنے کا نام طلاق ہے''

شریعتِ محمدیہ آسمان سے نازل شدہ تمام شریعتوں سے کامل ترین اور اس کے احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ تمام احکامات سے عظیم تر ہیں۔ اس لیے حکمِ طلاق کی حکمت بھی بڑی بلیغ، عظیم اور مہتم بالشان ہے۔ شریعتِ مطہرہ سب شریعتوں سے افضل اعلیٰ اور بندوں کے معاشی اور معادی مصالح کی سب سے زیادہ خیال رکھنے والی ہے، اس امر کی وضاحت یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مرد کو اپنی پسند کی چار تک عورتوں سے نکاح

کرنے کی اجازت عطا فرمائی اور یہ کہ وہ جتنی چاہے باندیاں خرید کر اپنے پاس رکھ لے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا اتمام اور اس فضیلت کی تکمیل اس پر کر دی تو اس کو اپنی زوجہ کی کنجیوں کا مالک بنا دیا، زوجہ کی عصمت وعفّت کی کنجیاں اس کو تھما دیں جب وہ فراق چاہے تو اس کے لیے خلاصی ممکن ہو اور جب بھی فرار چاہے تو نجات اس کے لیے ممکن ہو، اس لیے اس کو طلاق کی اجازت دی تاکہ وہ اس گرہ کو جو نکاح کی وجہ سے لگی ہے کھول سکے جب وہ سمجھے کہ میرے لیے یہ عورت مناسب نہیں ہے میرے مشرب کے موافق نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس عورت کو اس کی گردن کا طوق اس کے پاؤں کی زنجیر اس کی کمر کا بوجھ اس کے دل کی بیماری اور اس کی آنکھ کی کنک تو نہیں بنایا ہے بلکہ اس ذاتِ بابرکات نے اس کو فراق کا راستہ بتا کر اس پر کرم فرمایا یعنی مخصوص الفاظ کے ذریعہ طلاق کا طریقہ جاری فرمایا۔ یہ ہے طلاق کی حکمت، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس عطا پر مولیٰ کریم کی حمد و ثنا کرنی چاہیے کیونکہ اگر یہ نعمت و عطا (یعنی اجازتِ طلاق) نہ ہوتی تو اس بھنور سے نکلنے اور اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوئی صورت نہ ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

وان تعدّوا نعمة الله لا تحصوها۔ (النحل: ۱۸)

طلاق سے رجوع کی حکمت

رجعت کی تعریف یہ ہے

﴿ **هی ردّالمرأة الی النکاح فی عدّة طلاق غیر بائن**

علی وجہ مخصوص ﴾

''رجعت کہتے ہیں طلاق کی عدّت کے اندر مخصوص طریقہ سے عورت کو نکاح کی طرف لوٹانا''

رجوع کی حکمت طلاق سے پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی کرنا اور بہت جلد وقت میں اور اقرب فرصت میں فراق سے پیدا ہونے والی حالت کو دور کرنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فراق کی تلخی اور فرقت کا نقصان کس قدر ہے۔ عموماً طلاق کے بعد جانبین کی طرف سے ندامت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ خاوند یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی دوبارہ اسکے پاس آجائے اس سے پہلے کہ طلاق کی عدّت ختم ہو اور وہ میرے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسرے آدمی کے پاس چلی جائے پھر وہ پریشانی کے گڑھے میں اور مشقت و تکلیف کے جال میں پھنس جائے اور دوبارہ بیوی کا حصول اس کے لئے ناممکن ہو جائے حالانکہ وہ میری راحتِ جان اور غمگسار رہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس نے مرد کے لیے ایک مختصر کلمہ کے ساتھ رجوع کرنے کا حق عنائیت فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی سے عورت اپنے خاوند کے نکاح سے نہیں نکلتی ہاں اگر طلاق کی عدّت ختم ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اگر عدّت کے دوران اس کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ عورت اس کی وارث ہوتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق رجعی میں عورت مرد کے نکاح میں تا عدّت باقی رہتی ہے۔

حُرمتِ ظہار کی حکمت

ظہار کی تعریف یہ ہے۔

﴿ ھو تشبیه الزوج زوجته غیر البائن بأنثی محرّم لم تکن حلاله ﴾

یعنی ”خاوند کا اپنی بیوی کو محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔“

حُرمتِ ظہار کی حکمت یہ ہے کہ ظہار سے ایک حلال چیز کا حرام کرنا لازم آتا ہے اس لیے کہ خاوند اپنی بیوی کو جو کہ حلال ہے محرم عورتوں جیسے ماں بہن وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا اس طرح اس نے اپنے آقا اور مالک کے سامنے بڑی جرأت کا اظہار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے منع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کرنے والے پر سخت ترین وعید فرمائی ہے اور اس کے قول کو قولِ منکر اور زور (جھوٹ) فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وانّھم لیقولون منکرًا من القول وزورًا ﴾

(المجادلة:۲)

”کہ وہ بلاشبہ قولِ منکر اور جھوٹ کہتے ہیں“

ظہار کو گناہ کبیرہ میں شمار فرمایا اس سے ظہار کی شناعت اور برائی واضح ہوتی ہے۔ اور اس پر کفّارہ کی مشقت وصعوبت بھی رکھی ہے یہ ظہار کی حرمت پر دلیلِ کافی ہے۔ جیسا کہ منصف اور مفکر شخص پر یہ بات عیاں ہے۔

واللہ الھادی“

لعان کی حکمت

لعان کی تعریف یہ ہے۔

﴿ھوایمان مؤکّدۃ تبرئ الزوج من حدّالقذف و المرأۃ من تلویث العرض﴾

یعنی ”لعان چند مؤکد قسمیں ہوتی ہیں جو خاوند کو تہمت کی سزا سے اور عورت کو بدکاری کی بدنامی سے بری کرتی ہیں۔“

لعان کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ مرد جب اپنی زوجہ پر فحاشی اور بدکاری کی تہمت لگاتا ہے تو اس کے پاس اپنے دعویٰ پر کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہوتا اس لیے کہ زنا اور بدکاری کا مدار پوشیدگی پر ہے کوئی بھی اس پر مطلع یا اس سے واقف نہیں ہوتا لعان میں مرد کو اپنے دعویٰ میں صرف سچا فرض کر لیا جاتا ہے ایسی صورتِ حال میں ناممکن ہے کہ عورت اس کے دعویٰ کا اقرار کر لے اور اس کا قول اس کے نزدیک مقبول و معتبر ہو۔ کیونکہ مرد نے اس پر ایسی بدترین تہمت لگائی ہے جو کسی آزاد یا باندی کو بھی نہیں لگائی جاتی ہے مرد ایسی صورت میں ایک ایسی چیز کا محتاج ہے جس کا وہ سہارا لے سکے جس سے وہ اپنی سچائی کو ظاہر کر سکے۔ اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے اس سے کسی طرح خلاصی اور چھٹکارا حاصل کر سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا تقاضا ہوا کہ خاوند کے لیے لعان کی اجازت عطا فرمائے تا کہ وہ اس دشواری سے نکل سکے اور دشوار گزار راستہ سے نجات پا سکے۔ اس لیے لعان کی اس کو

اجازت دی چناچہ پھر خاوند اور بیوی دونوں قاضی کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں ہر ایک جھوٹا ہونے کی صورت میں اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا ہے یوں پھر نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے لعان کی حکمت۔ اس تکلیف دہ مسئلہ سے نکلنے کی اس سے بہترین کوئی صورت نہیں ہے دنیا میں اس سے بہترین کوئی حکم اور فیصلہ نہیں ہے۔ اگر دونوں جہانوں کی عقلیں جمع ہو جاتیں تو اس مسئلہ کا کوئی حل یا راستہ نہیں نکال سکتیں تھیں، لعان سے زیادہ باانصاف، بااعتدال، محکم اور درست کوئی حکم نہیں ہے۔

بابرکت ہے وہ ذات جس کا علم اس کی شریعت سے جس کی ربوبیت و وحدانیت اس کی مخلوق میں ظاہر اور نمایاں ہے۔

تبارک اللہ رب العالمین"۔ (الاعراف: ٥٤)

عدّت کی حکمت

عدت کی تعریف یہ ہے۔

﴿ ھی مدۃ تتربص فیھا المرأۃ لمعرفۃ براءۃ رحمھا اوللتفجع علی زوجھا بعدالموت ﴾

"یعنی عدّت ایک مدّت ہے جو عورت استبراءِ رحم (رحم کی صفائی) یا اپنے فوت شدہ خاوند کے اظہارِ افسوس کے لیے گزارتی ہے۔"

عدّت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ بسا اوقات مطلّقہ عورت اپنے خاوند سے حاملہ ہوتی ہے اگر عدّت کے بغیر کسی

دوسرے سے نکاح کر لے گی تو ثبوتِ نسب میں معاملہ مختلط (مل جائے گا) ہو جائے گا، کہ اس کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ آیا پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا ہے۔ ظاہر کہ اگر عدّت کا حکم نہ ہو تو بڑا ضرر اور حرج لازم آتا اس لیے عورت کو عدّت کا حکم ہوا۔ (تاکہ استبراءِ رحم ہو جائے اور نسب کا اختلاط نہ ہو)۔

عدّت کے حکم میں بہت سی مصلحتیں مخفی ہیں

عدّت کے حکم میں اور بھی بہت سے مصالح اور فوائد ہیں بعض فوائد سے ہم آپ کو مستفید اور متمتع کرتے ہیں۔ عدّت کے حکم میں ایک مصلحت و حکمت یہ ہے کہ طلاق دینے والے کو رجوع کا ایک طویل زمانہ غور و فکر کے لئے مل جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ نادم ہو جائے اور رجوع کر لے، جب وہ طولِ صحبت میں غور کرے گا تو ممکن ہے کہ اسے حسرت و افسوس ہو، اسے اپنی بیوی کی خدمت گزاری یاد آئے گی تو ہوسکتا ہے کہ وہ سدھر جائے مہذّب بن جائے اور پھر اس سے رجوع کر لے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں زوج کے حق کی ادائیگی اور اس کے لئے تأثر کا اظہار ہے، کیونکہ اگر خاوند اس کو طلاق دے اور عدّت اس کی نہ ہو اور وہ عورت پھر فوراً کسی دوسرے سے نکاح کر لے تو اس سے خاوند کے حقوق کا بہت بڑا نقصان ہوتا جس نے عرصہ دراز تک اس عورت کو نعمتوں سے نوازا اور نعمتوں کے بیج بو دیئے۔ اسی لئے یہ عدّت مقرر ہوئی تاکہ خاوند کی حرمت کی رعایت اور اس کی عزت و ناموس کی حفاظت ہو۔ عدّت کے حکم میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ ہے زوج

اور زوجہ کی مصلحت و منفعت کا لحاظ اور اولاد کی حاجات کا خیال، اس لئے کہ ممکن ہے وہ عورت صاحبِ اولاد ہو، اپنے خاوند سے جدا ہونے کے بعد اس کا غصہ غرور وغیرہ اتر جائے اور اپنی اولاد کی تربیت کی خاطر اپنے خاوند سے رجوع کر لے، اور اس طرح وہ عورت اپنی اپنے خاوند اور اپنی اولاد کی محسنہ ہو جائے، یہ حکمت کتنی اچھی اور یہ مصلحت کتنی بہتر ہے۔

عدّت کی ایک حکمت نکاح کے مقام و مرتبہ اور اس عقد کی حرمت و عظمت کا اظہار ہے کہ یہ عقدِ نکاح ان امور میں سے نہیں ہے جن کو حقیر یا معمولی سمجھا جائے، اور یہ عورتیں ایسی نہیں ہیں جن کو کھلونا بنا لیا جائے کہ مرد کی طرف سے صرف طلاق ملنے کے فوراً بعد کسی دوسرے کا فراش بن جائے بلکہ ایک خاص مدّت تک انتظار ضروری ہے اور آثار نکاح کا اظہار ضروری ہے تا کہ معلوم ہو کہ نکاح تمام معاملات میں مہتم بالشان معاملہ ہے، فہم و شعور رکھنے والوں کے نزدیک یہ حکمت کتنی عظیم اور جلیل ہے۔

عدّت طلاق تین حیض اور عدّتِ وفات چار ماہ دس دن کیوں مقرر ہوئی

باقی رہی یہ بات کہ مطلّقہ مدخول بھا (جس سے تعلق ازدواجی ہو چکا ہو) کے لئے عدّت تین حیض مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ابھی آپ کو عدّت کی حکمت کے بیان میں معلوم ہوا کہ عدت کے حکم میں بہت سے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے ایک حقِ ولد ہے کہ اس کا نسب واضح ہو اور زوجِ ثانی، زوجِ اول کی کھیتی میں اپنا پانی سیراب

نہ کرے، دوسرے حقِ زوج ہے یعنی عدت اس لئے طویل رکھی کہ شاید وہ نفرت چھوڑ دے اور رجوع کرلے اور تیسرے حقِ زوجہ ہے کہ جب تک وہ عدت میں ہے نان ونفقہ اور رہائش اس کا حق ہے۔ اسی طرح نسب کے ثبوت کے بعد اولاد کی تربیت و رعایت اس کا حق ہے۔ چوتھے حق اللہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں یا نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حقوق باوجود کثرت کے تین حقوق کی طرف لوٹتے ہیں۔ ایک حق اللہ، دوسرے حق العباد یعنی حقِ زوجین اور تیسرے حقِ ولد۔ تو جب حقوق تین ہوئے تو عدت بھی تین حیض مقرر ہوئی تاکہ ہر حق ایک حیض کے مقابلہ میں ہو جائے۔ یہ ہے عدت کے حکم کی حکمت اس کو غنیمت جانئے کسی کتاب میں اس حکمت کی اس طرح وضاحت آپ بہت کم پائیں گے، اور باقی رہی بات عدّتِ وفات کی کہ وفاتِ زوج پر عدّت چار ماہ دس دن مقرر کیوں کی گئی ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کی سب سے اچھی حکمت یہ ہے کہ اتنی مدت کے بعد عموماً عورت کو صبر آجاتا ہے اور اس کا دل سکون میں آجاتا ہے اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اتنی مدّت تک عورت ترکِ صحبت پر صبر کرسکتی ہے جیسا کہ ابن عمرؓ کا اثر مروی ہے۔ یہ ایک بہترین حکمت ہے اس کو غنیمت جانئے۔ یہ انسانی ذوق و مزاج کے بھی مطابق ہے۔

حدود و قصاص کی حکمت

جنایت کی تعریف یہ ہے۔

﴿ هی عبارة عن فعل واقع فی النفوس والاطراف ﴾
یعنی ''جنایت اس فعل کا نام ہے جو انسان کے نفوس اور اعضاء پر واقع اور اثر انداز ہو''

جنایات پر عقوبت (سزا) کا حکم کس حکمت کی بناء پر دیا گیا ہے؟ ہم پہلے ایک تمہید ذکر کرنا چاہتے ہیں جس سے وجہ حکمت واضح ہوگی۔

تمہید

جاننا چاہیئے کہ ربّ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، انہیں عقل کی دولت عطا فرمائی، اور ان کے اندر سننے، دیکھنے کی قوت اور محبت، بغض، رضا انتقام اورعفو و درگزر کے جذبات پیدا کیے اور ان کے اندر شہوات و لذات کی قوتیں رکھ دیں جن سے درندگی، بغض و عداوت اور خود غرضی اور غرور و تکبر جیسے امراض جنم لیتے ہیں، پھر اس ذات نے لوگوں کو امتحان میں مبتلا کیا، جیسا کہ فرمایا ہے۔

﴿ لیبلو کُمْ اَیُّکُمْ احسن عملاً ﴾

(الملك: ۲)

یعنی ''تا کہ وہ تم کو آزمائے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے''

ہر طرح کے ہمنشین مقرر کر دیئے۔ شریر اور خبیث ارواح ونفوس میں سے بُرے ہمنشین، اور پاک نفوس میں سے اچھے ہمنشین۔ تا کہ ان کا پورا پورا امتحان لیا جا سکے کہ کبھی ان کے قلوب خیر کی طرف مائل ہوں اور کبھی شر کی طرف متردّد۔

حدود وتعزیرات سے مقصود ظلم و فساد کو ختم کرنا ہے

اور چونکہ ان لوگوں کے اندر حسد، بغض، خود غرضی، ظلم و زیادتی اور کینہ جیسے قابل نفرت جذبات اور دواعی پیدا فرمائے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم فرمایا کہ اپنے پیغمبروں کو نزیر و بشیر بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ وہ لوگوں کو عذابِ جہنم اور ہمیشہ کی ذلّت و رسوائی سے ڈرائیں اور بچائیں اور جنت و رضا اور خیرِ کثیر کی خوشخبری سنائیں اور تا کہ پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لئے کوئی حجّت وحیلہ باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ یہ انذارات (ڈرانا دھمکانا) بعض سخت مزاج نافرمان اور جنگجو طبیعت رکھنے والوں کے لئے کافی اور کارگر نہیں ہوتیں، اس لئے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ ان کو تعزیرات اور قصاص کے ذریعہ ڈرائیں دھمکائیں کہ ضرب کے بدلہ ضرب، قطع کے بدلہ قطع (کاٹنا) اور قتل کے بدلہ قتل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تعزیرات و قصاص کا حکم جاری فرمایا تا کہ لوگ حد سے تجاوز نہ کریں نہ کوئی ظالم ہو اور نہ مظلوم۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان عقوبات (سزاؤں) کو چھ اصولوں پر مقرر فرمایا۔ پہلا قتل، دوسرا جَلد (کوڑے)، تیسرا قطع (کاٹنا)، چوتھا تغریمِ مال (مالی ضمان) پانچواں تعزیر اور چھٹا نفی (جلا وطنی)۔

قصاص کی حکمت

(۱) قصاص بالقتل کی حکمت خود قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہے۔

ارشاد پاک ہے۔

﴿ولكم في القصاص حياة يا أولي الالباب لعلّكم تتّقون﴾ (البقرة: ۱۷۹)

''اے عقلمندو قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو''

اللہ تعالیٰ نے قصاص کو حیات کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد اب کونسا بیان قابلِ ذکر ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ یہ قصاص حیاتِ انسانی کا رکن اور بقائے نسل کی بنیاد ہے، اس لئے کہ قاتل کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اگر میں نے قتل کیا تو قصاصاً مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ قتل سے رک جائے گا، اس طرح اس کی اپنی جان بھی محفوظ ہو گی اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا اس کی جان بھی محفوظ ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ قصاص میں حیاتِ انسانی کی بقاء مضمر ہے۔

حدِّ زنا کی حکمت

(۲) اور حدِّ زنا میں جَلد (کوڑے) مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ زانی نے غیر عورت کی آبرو ریزی اور عصمت دری کر کے بدتہذیبی کی انتہاء کر دی ہے اور غیر مملوکہ چیز میں تصرف کیا ہے جس کا اللہ نے اس کو مالک نہیں بنایا تھا۔ البتہ اس نے کسی کا کوئی عضو تلف یا کوئی جان قتل نہیں کی اس لئے اس کی سزا جَلد (کوڑے) مقرر کرنا عقل و حکمت کے مناسب ہوا۔ یہ اس صورت میں ہے جب زانی غیر شادی شدہ ہو، لیکن جب زانی شادی شدہ ہو تو

اس کے پاس زنا اور بدکاری کا کوئی جواز اور عذر نہیں تھا اس لئے کہ وہ اپنی شہوت کی آگ کو اپنی زوجہ کی صحبت سے بجھا سکتا تھا، تسکینِ خواہش کے لئے اپنی بیوی کی فرج استعمال کر سکتا تھا تو جب شادی شدہ زانی کے لئے کسی پر زیادتی اور کسی کی آبروریزی کرنے کا کوئی جواز یا عذر ہی نہیں ہے، اس لئے وہ قبیح ترین صورتِ قتل کا مستحق قرار پایا یعنی رجم بالاحجار کا (سنگ باری)۔ کیونکہ زنا سے نسب میں اختلاط اور غیر شرعی طریقہ سے پانی کا ضیاع لازم آتا ہے نیز زنا اور بدکاری سے توالد و تناسل کی حکمت اور روزِ قیامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرتِ امت پر فخر کرنے کا ضیاع لازم آتا ہے۔

قطعِ ید کی حکمت

(۳) قطع ید کی حکمت یہ ہے کہ جب چور نے دوسرے کا مال ظلماً چرایا اور سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے دوسرے کا مال و اسباب لوٹا اور پھر اس مال کے چرانے اور لوٹنے میں اس کے ہاتھ نے سب سے بڑا کردار اور تعاون کیا ہے۔ اس لئے وہ ہاتھ سزا کا سب سے زیادہ حقدار قرار دیا گیا تاکہ اسے بھی زجر و توبیخ ہو جائے اور دوسرے کو بھی عبرت حاصل ہو جائے، پھر وہ ہاتھ دوبارہ چوری کی طرف نہیں بڑھے گا اور خود وہ چور پھر کبھی چوری کا خیال بھی نہیں لائے گا۔ کیونکہ اسے یقین ہوگا کہ اگر میں نے دوبارہ جرم کیا تو میرا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا اور بدھیئت اور ناقص الخلقت ہو جاؤں گا اور ضرب المثل بن جاؤں گا لوگ اس کو عار اور شرم دلائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ حکم کس قدر عدل و انصاف پر مبنی

ہے۔ وھو خیر الحاکمین"۔

تغریمِ مال کی حکمت

(۴) تغریمِ مال (مالی ضمان) کا حکم اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو کسی چیز کا نقصان و فساد کرے۔ مثلاً درختوں سے پھلوں کا اجازت کے بغیر توڑنا، گمشدہ چیز کا چھپانا، مالِ غیر کا جلانا، حالتِ احرام میں شکار کا جرم کرنا، راستہ میں پڑی ہوئی چیز کا اٹھا کر چھپانا، جہاد وغیرہ میں امیر کی نافرمانی وغیرہ جیسے جرائم کرنا، بہر حال مالی ضمان کی حکمت یہ ہے کہ جرم اور اس کی سزا ایک ہی طرح کی رکھی ہے (یعنی جیسا جرم ویسی سزا) جیسے درخت کے پھل بلا اجازت توڑنے والے سے اس کی قیمت لی جائے تا کہ وہ اپنے عمل کا وبال چکھے اور آئندہ کے لئے اسے عبرت حاصل ہو اور ناقابلِ انضباط اتلاف کا معاملہ حاکم کی رائے پر مبنی ہے وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کا فیصلہ کرے گا۔

تعزیر کی حکمت اور اس کی تفصیل

(۵) تعزیر کا تعلق ہر اس معصیت سے ہے جس میں نہ کوئی حد مقرر ہو اور نہ کفارہ۔ تفصیل یہ ہے کہ معاصی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی قسم وہ جس میں کفارہ ہے لیکن حد نہیں ہے۔

۲۔ دوسری قسم وہ جس میں حد ہے لیکن کفارہ نہیں ہے۔

۳۔ تیسری قسم وہ جس میں نہ حد ہے اور نہ کفارہ۔

تعزیرات کا تعلق تیسری قسم سے ہے، اس کی مثال جیسے قابلِ شہوت اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت (تنہائی) کرنا، اس کو بوسہ دینا، مشترکہ باندی سے نکاح کرنا۔ اور وہ معصیت جس میں حد مقرر ہے اس میں تعزیر کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ وہ حد ہی زجر و تنبیہ کے لئے کافی ہے، اور وہ معصیت جس میں کفارہ مقرر ہے اس میں بھی قولِ معتمد کے مطابق تعزیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اب صرف وہ معصیت رہ گئی جس میں نہ حد مقرر ہے اور نہ کفارہ، بلکہ تعزیر ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اس شخص نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے عام مصالح کو نقصان نہیں پہنچا یعنی اس معصیت کے ارتکاب سے اس نے کسی پر جنایت یا زیادتی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس نے صرف صغیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے وہ نہ حد کا مستحق ہے اور نہ کفارہ کا، لیکن شریعتِ مطہرہ نے چاہا کہ اس کو صغیرہ گناہ پر بھی چھوڑا نہ جائے کہ کہیں وہ گناہ کبیرہ تک نہ پہنچ جائے چنانچہ اس کے لئے ایک مناسب سزا مقرر فرما دی تاکہ وہ سزا حدود سے تجاوز نہ کرنے کا سبب و ذریعہ بنے اسی کا نام تعزیر ہے۔ اور ناقابلِ انضباط امور میں قاضی کی رائے معتبر ہے وہ زمان و مکان کے احوال پر غور کر کے اپنی صوابدید کے مطابق جو چاہے سزا مقرر کرے۔

نفی (جلاوطنی) کی سزا میں حکمت

(۶) اور نفی (جلا وطنی) کی سزا اس شخص کو دی جاتی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربت (لڑائی) کرتا ہے اور زمین میں فساد مچاتا ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

﴿ إنّما جزاء الذين يحاربون الله و رسوله و يسعون فى الارض فسادًا أن يقتّلوا أويصلّبوا أو تقطّع أيديهم و أرجلهم من خلافٍ أوينفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنيا و لهم فى الأخرة عذاب عظيم ﴾

(مائدہ:۳۳)

(ترجمہ) ''یہی سزا ہے ان کی جولڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کوقتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے''۔

بہر حال نفی (جلاوطنی) بھی ان امور میں سے ہے جس کا امامِ وقت کو اختیار دیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے محاربت (لڑائی) کا معنی ہے اس کے نیک بندوں کو اذیّت پہنچانا بایں طور کہ انکی تذلیل کی جائے انکو تکلیفیں دی جائیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربت کا معنی ہے خلیفۃ المسلمین کو اذیت پہنچانا بایں صورت کہ اس کی اطاعت سے سرکشی کی جائے اور اسکے خلاف عداوت اور فتنوں کو پیدا کر کے اس کے مقابلہ میں نکلنا اور زمین میں فساد مچانا جیسے چوروں اور ڈاکوؤں کا کام ہے۔ جو اس طرح کی حرکات کرے

اس کی سزا یا تو قتل ہے تا کہ لوگ اس سے راحت حاصل کریں یا سولی پر لٹکانا ہے یا اس جیسی کوئی اور سزا جیسے اس کا ہاتھ کاٹنا اور مخالف جانب سے پاؤں کاٹنا یا اس کو جلا وطن کرنا ہے۔

اسلامی سزاؤں کی حکمت جرائم کا خاتمہ ہے

آیتِ بالا میں مذکورہ چار سزاؤں (قتل، سولی، قطع ید اور جلاوطنی) کی حکمت جرائم میں کمی کرنا، برائیوں کا خاتمہ کرنا اور ان منکرات کے جراثیم کا صفایا کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسلمین کو ان امور میں بااختیار بنایا ہے کیونکہ بعض منکرات بعض سے زیادہ سخت ہوتی ہے، وہ حاکم ان جرائم کے مرتکبین کو جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور مشارب متباین ہوتے ہیں مثلاً نفی (جلاوطنی) ہے، بسا اوقات جلاوطنی کی سزا بعض لوگوں پر شدید اثر انداز ہوتی ہے اگرچہ یہ سزا بظاہر خفیف ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مشروع قرار دیا ہے، جیسا کہ بعض حکومتوں نے آج کے دور میں بھی اس سزا کو مصلحت آمیز سمجھتے ہوئے لاگو کر رکھا ہے۔

فسبحان من کل شیٔ عندہ بمقدار"۔

الحمد للہ اب اسرارِ دین، محاسن شریعت اور ثمراتِ تنزیل کی بحث اختتام پذیر ہوتی ہے۔ طالبِ اسرار کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم شارع سبحانہ و تعالیٰ کی تمام حکمتوں کا احاطہ نہ کر سکے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور علم احاطۂ بشر سے وسیع تر ہے بلکہ اس کی رحمت حدود میں محدود اور

قیود میں مقید کرنے سے فسیح تر ہے، ہم نے تو بس آپ کو اس کا ایک نمونہ دینا اور دکھانا چاہا ہے تاکہ آپ کو مقصود تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہو جائے۔

واللہ یھدینا و ایاک الی احسن ختام"۔

الحمدللہ "مواھب البدیع فی حکمۃ التشریع" کا ترجمہ
۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۷ اپریل ۲۰۰۱ء
بروز منگل پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

از خالد محمود عفا عنہ الغفور